نقش ارژنگ
اکبر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

زیر سرپرستی انجمن ارباب علم لاہور

نقش ارژنگ

از

ابو الخیال چوہدری جلال الدین اکبر علیوالوی

پبلشر
محمد اسمٰعیل نعیم مالک رسالہ ہزار داستان لاہور

۱۹۳۶ء

بار اول

علاوہ محصول ڈاک

تعداد طبع ۱۰۰۰

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرِ محبّت

بہ بازارم مجو دیگر متاعے چو گل جز سینۂ چاکے ندارم

مَیں یہ جگر پارے خلوصِ قلب اور جوشِ محبّت سے اپنے عزیز ترین دوست حافظ عبد المجید صاحب کے مقدّس نام سے معنون کرتا ہوں ×

محبّت کیش

جلال الدین

تعارف

اگر مَیں اپنی طبیعت کے اقتضا کا لحاظ کرتا - تو اکبر صاحب کے ذاتی تعارف کی بجائے اُن کے کلام کا تبصرہ کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لیتا - چونکہ تکلف برطرف اُن کی ذات کی بہ نسبت اُن کی شاعری میرے لئے کہیں زیادہ دلچسپیوں کا مجموعہ ہے - جس کی وجہ شاید یہ ہے - کہ جہاں اُن کی صفاتِ ذاتی اُن معروف خصوصیات سے جو حقیقی شاعروں سے عموماً منسوب کی جاتی ہیں - کسی قابلِ ذکر امر میں مختلف نہیں - وہاں اُن کی شاعری ایک امتیازی شان لئے ہوئے ہے - بہرحال مجھے انتخاب کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا - اور اب میرے مکرم دوست عابد صاحب کی پیش قدمی نے میرے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑی - علاوہ بریں مجھے اس کا بھی پورے طور پر احساس ہے - کہ آپ نئے دل میں اکبر صاحب کے حالات دریافت کرنے کا شوق ضرور ہو گا - اس لئے مَیں اُن کے ارشاد کا احترام کرکے اُن کے تعارف کی رسم ادا کرتا ہوں *

موصوف کا نام جلال الدین اور تخلص اکبر ہے - اُن کی پیدائش دسمبر ۱۹۰۵ء میں بمقام علیوال ضلع گورداسپور ہوئی - ابتدائی تعلیم کے مراحل مختلف قصباتی مدارس میں طے کئے - اپنی خداداد ذہانت کی بدولت اپنے ہم جماعتوں میں ہمیشہ ممتاز رہے ہیں - اور ہمیشہ سے وظیفہ خوار

چلے آئے ہیں - آجکل گورنمنٹ کالج لاہور میں تھرڈ ایر کے متعلم ہیں - اس امر کے متعلق کہ اُن کو شاعری کا شوق کس طرح پیدا ہوُا - اور اوائل میں کلام کا کیا رنگ تھا - مَیں ایک دلچسپ واقع بیان کرتا ہوں - مئی ۱۹۱۸ء میں جب آپ چھٹی جماعت میں تعلیم پاتے تھے - ایک روز ادائے نماز جمعہ کے بعد حساب کا ایک سوال حل کرنے بیٹھے - سوچتے سوچتے بیخود سے ہو گئے - اور تخیل میں عالمِ بالا کی سیر کرنے لگے - جب ہوش میں آئے - تو دیکھا - کہ سوال کے حل کی بجائے کاغذ پر نو شعر کی ایک مناجات لکھی پڑی ہے - ہم نے مناجات دیکھی ہے کافی اچھی ہے - صرف دو تین جگہوں پر اصلاح کی ضرورت ہے - اُس وقت سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوُا - نہم جماعت تک ہمیشہ مذہبی - اخلاقی اور ملکی نظمیں لکھتے رہے - مَیں بخوفِ طوالت نمونے درج نہیں کرتا - نہم جماعت میں حسرت کی غزل جس کا مطلع ہے ؎

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

دیکھ کر غزلگوئی کا شوق پیدا ہوُا - اُس وقت سے غزل ہی کہتے ہیں - کبھی کبھار نظم بھی لکھتے ہیں - ۱۹۲۵ء تک کسی سے مشورہ نہیں کیا - ۱۹۲۵ء میں ایک غزل اور ایک نظم حکیم فیروزالدین احمد صاحب طغرائی امرتسری کو دکھائیں - چند ماہ سے عابدؔ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہیں ٭

تعجب خیز بات یہ ہے - کہ اتنا اچھا شاعر ہونے کے باوجود طبیعت میں غرور کا نام تک نہیں - اکثر شاعروں کی طرح دوسرے شاعروں پر حسد نہیں کرتے کیونکہ شاعری کو پیشہ قرار نہیں دیتے - آپ کے خلاف جو حساد لغو اور بے معنی مضمون لکھتے رہتے ہیں - اُن کے بھی اچھے شعروں کی دل کھول کر داد دیتے ہیں *

اکبر صاحب میں شرافت کوٹ کوٹ بھری ہوئی ہے آپ کی فطرت خاموشی پسند واقع ہوئی ہے - مگر جب کوئی بات کرتے ہیں - سچے کی کرتے ہیں - خود غرضی آپ میں نام کو نہیں - اس کے برعکس ایثار کا مادہ حد سے زیادہ ہے *

ان حالات و کوائف کے علاوہ اُن کی زندگی میں جہاں تک مجھے علم ہے - کوئی ایسا قابلِ ذکر واقع نہیں گزرا - جس سے آپ کو دلچسپی ہو سکے - جو کسی غیر معمولی زندگی کے سوانح سے یا کسی شاعر کے رفتارِ ترقی کے مدارج سے ہوتی ہے - اس کے لئے اُن کا کلام بہترین ماخذ ہے *

"فلسفی"

مقدمہ

سید عابد علی صاحب عابد بی۔ اے (آنرز) ایل ایل بی وکیل لاہور

حقیقت یہ ہے۔ کہ غالب اور داغ کے بعد وسیع ترین معانی میں غزل کی وُہ کیفیت نہ رہی۔ جو میر کے سوز و گداز۔ غالب کی رفعت تخیل۔ مومن کے جدت اسلوب اور داغ کے لطف زبان کے ساتھ مخصوص تھی۔ ادب کے ارتقا کے پہلو بہ پہلو کہ غزل ارتقائے ادب کا ایک جزوِ لازمی تھی۔ غزل میں بھی تغیرات پیدا ہوتے رہے۔ حالی۔ نذیر احمد۔ آزاد۔ سرشار اور شبلی کے دورِ پنجگانہ کی سب سے بڑی باطل نما حقیقت یہ ہے۔ کہ اس زمانے سے وہ شے عروج پذیر ہونی شروع ہوئی۔ جسے عرفِ عام میں قطعاً غلط طریق سے نیچرل شاعری کہا جاتا ہے۔

اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ رسالوں اور کتابوں کے صفحات نام نہاد نیچرل نظموں سے پُر نظر آنے لگے۔ برسات۔ کیڑے مکوڑے۔ درخت۔ موتیا۔ پرندے۔ کرسی۔ میز۔ قلم۔ دوات۔ سیاہی۔ غرضیکہ کوئی چیز ایسی نہیں تھی۔ جس کے متعلق بے انتہا نظمیں نہ لکھی گئی ہوں۔ یہ لغویت بہت عرصہ تک جاری رہی۔ اور اگرچہ اس ضمن میں اردو ادب کو ایک

معتد بہ فائدہ پہنچا کہ سرور۔ محروم اور نادر کاکوروی اس دورِ تمیز کے شاعر ہیں۔ اور حقیقی معانی میں شاعر ہیں لیکن اس کا یہ بُرا اثر قائم رہا۔ کہ غزل اور نظم کی حدِّ فاصل مٹ گئی۔ اور اُس خبطِ نظم گوئی میں جو عام طبائع پر چھایا ہوا تھا۔ مبتلا ہو کر اکثر اچھی ذہنیتیں معدوم ہو گئیں ؛

اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اقبالؔ (مشرق کا وہ شاعر جو فردوسی اور ہومر کا ہم پلہ ہے) اُس وقت اپنے ارتقائی منازل کی پہلی منزل پر تھا۔ اور لوگ ابھی تک یہ نہ سمجھ سکے تھے۔ کہ اُس کی نظمیں نام نہاد نیچرل اور قومی نظموں سے کس قدر مختلف اور بلند ہیں ؛

اس کے ثبوت میں میں ناظرین کی توجہ کو مرغوب ایجنسی کی چھوٹی چھوٹی نظموں کی کتابوں کی طرف منعطف کروانا چاہتا ہوں۔ جو اقبال کی تقلید میں لکھی گئیں۔ اور شائع کی گئیں ؛

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ غزل معیار سے گر گئی۔ ہر چند کہ یو۔پی میں رئیس المتغزلین حسرت موہانی غزل میں ایک نئے روشن باب کا افتتاح کر رہے تھے۔ مگر وہ دن ابھی دُور تھا۔ جب اُن کی کاوش عام انداز غزلگوئی میں جھلک کر مشکور ہونے والی تھی ؛

پنجاب میں ناظرین اقبال اور نیرنگ سے قطعِ نظر کیجئے۔ اور پھر اُس دور کے مخزن کو اٹھا کر دیکھئے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ غزل کی کیا حالت تھی ؛

کچھ اس قسم کی فضا تھی ۔ جب آہستہ آہستہ فانی ۔ حسرت ۔ جوش ۔ عزیز ۔ تاجور ۔ اپنے اپنے مخصوص رنگ میں غزل سرا ہوئے ۔ اور شہرت نے ان کے سر پر قبولِ عام کے پھول برسائے ؂

غزل کی تجدید ضروری تھی ۔ کیونکہ ہندوستان کے قومی ادب میں جذبات کی تحلیل جس موثر پیرائے سے غزل میں کی گئی وہ ایسے ہیں ۔ کہ شاید صرف فارسی غزل اس اعتبار سے اردو غزل کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہے ؂

لوگ اُس فرسودہ انداز سے تنگ آ چکے تھے ۔ جو متقدمین کی غزلگوئی کی ایک خصوصیت تھی ۔ اس لئے جب پنجاب میں غزل ایک بالکل علیحدہ سی چیز بن گئی ۔ تو لوگوں نے اسے بہت رغبت سے قبول کیا ۔ یہ اُس لازمی ردِّ عمل کا اثر تھی ۔ جو غزل سے بے پرواہی برتے جانے کے بعد عمل میں آیا ۔ جو خصوصیتیں اقبال اپنی فارسی غزل میں پیدا کر چکا تھا ۔ ان کی جھلک اُردو غزلوں میں نمودار ہونے لگی ۔ میری مراد اس سے یہ نہیں ۔ کہ شاعروں کو اقبال کا رتبہ میسّر ہو گیا ۔ بلکہ یہ کہ اس کی شاعری نے عام غزل کو اس طرح متاثر کیا ۔ کہ اس میں حقائق کو بیان کرنے کی قدرت ۔ جدّتِ اسلوب ۔ رسمیاتِ عہد سے گریز ۔ کی صلاحیت پیدا ہو گئی ؂

غزل کی اس صنف کے علمبردار اثر صہبائی ہیں جن کے ساتھ میری ناچیز کوششیں بھی شریکِ کار ہیں

ہیں اس سے پیشتر اُن کے متعلق یہ فقرے لکھ چکا ہوں کہ وہ جذبات کی تہ تک پہنچ کر اُن کو بیان کرتے ہیں۔ اور فلسفیانہ استدلال اور مضمون آفرینی کے اعتبار سے موجودہ دور میں مشخص اور ممتاز ہیں ٭

اکبر صاحب کہ میرے عزیز دوست بھی ہیں۔ اور میرے شاگرد بھی اسی اندازِ غزلگوئی کے شیدا ہیں - اور میں دیکھتا ہوں - کہ انہوں نے کافی سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہے - تقریضات میں آپ اُن کی کامیابی کے ثبوت ملاحظہ فرمائینگے - میں صرف اُن کی دو بین خصوصیات کی طرف اشارہ کرونگا ٭

ایک یہ کہ ہر بات کو انداز کی رنگینی اور بیان کی شیرینی سے اس طرح ادا کرتے ہیں - گویا خود الفاظ شاداب ہو کر رنگ و بو میں غرق ہوگئے ہیں - فطرتی مناظر کو دیکھتے ہوئے اُن کی آنکھوں پر مستی کا ایک ہلکا سا پردہ ہوتا ہے - شفق کے متعلق کہتے ہیں ؎

طلسمِ رنگ کہے مستیٔ بہار کہے ۔۔۔ رُخِ نگار کہے قصرِ زرنگار کہے
بلند بام کہے آسمان و قار کہے ۔۔۔ جو دیکھ لے کوئی شاعر تو لالہ زار کہے

فروغِ نور سے کل کائنات رنگیں ہے
مگر عروسِ فلک کو خیالِ تزئیں ہے

کسی کی یاد ہے دنیائے دل میں عنبر بیز ۔۔۔ کسی کی یاد ہے دنیائے عشق میں گلریز
خیال پرور و کیف آشکار و عشرت خیز ۔۔۔ بہار پیکر و درد آشنا و مہر انگیز

کسی کے حسن کے جلوے نہاں ہیں آنکھوں میں
بہارِ عشق کی رنگینیاں ہیں آنکھوں میں

آخری بند میں جس طرح انہوں نے گریز کیا ہے - یہ تغزّل کا انتہائی کمال ہے ؛

برک ایک جگہ کہتا ہے - کہ شاعری اس وقت کامیاب ہے - جب وہ کسی چیز کا عکس نہ کھینچے - بلکہ اُس کے مجموعی تاثرات کو زیبِ قرطاس کرے - اور ظاہر ہے - کہ دنیا کے بڑے بڑے شاعر کسی عورت کی تعریف کرتے وقت یہ نہیں کہتے - کہ اُس کے خضو کس قسم کے ہیں - بلکہ ہمیشہ اس قسم کے فقرے کہتے ہیں - کہ اُن کے تاثرات جہانگیر ہو سکیں - اس نکتے کو سمجھکر ہومر اور ورجل نے محبوبوں کی تعریف میں یہ کہا ہے - کہ وہ ایک دیوی معلوم ہوتی تھی - اکبر صاحب کی نظم "ایک تصویر کو دیکھکر" اسی نکتہ کی آئینہ دار ہے - رنگینی اور شادابی کی اس سے زیادہ مست تصویر اور کیا ہوگی ؎

وہ دلکشی کہ رُخِ ماہ زرد ہوتا ہے
یہیں تو جلوۂ خورشید گرد ہوتا ہے

بہشت زار ہے یہ حسن نازنیں اس کا
بنا ہے نور سے یہ جسمِ مرمریں اس کا

فروغِ حسن ہے یا رنگ بو کا طوفاں ہے
کوئی کہے کہ مجسّم بہارِ خنداں ہے

مہک اٹھی ہیں ہوائیں وفورِ خوشبو سے
چمک اٹھی ہیں فضائیں نگاہِ جادو سے

یہی خصوصیت غزلوں میں بھی قائم ہے ؎

فروغِ بیخودی ہے انکے پیراہن کی رنگینی
کوئی موجِ شرابِ ارغواں معلوم ہوتی ہے

یہ کس کا کاروانِ ناز گزرا آسمانوں سے
بہارِ کہکشاں دامنکشاں معلوم ہوتی ہے

ہر اک نقشِ قدم میں ایک جنت سی لگی ہوگی
زمیں فنا رموجِ گلفشاں معلوم ہوتی ہے

وفا کی راہ میں گلزار ہیں رنگینی غم سے
تمہاری جستجو جنت نشاں معلوم ہوتی ہے

تیرا خیال باعثِ تسکینِ جان و دل ۔ تیرا جمال رونقِ ایوانِ آرزو
تیرا فراق فتنہ گرِ اضطرابِ شوق ۔ تیرا وصال مرکزِ ایمانِ آرزو
تیری ادا فروغِ صنم خانۂ حیات ۔ تیری نگاہ شمعِ شبستانِ آرزو
تیرا کرم عزیز تیرا غم عزیز تر ۔ یہ جانِ آرزو ہے وہ جانانِ آرزو

دوسری خصوصیت یہ ہے ۔ کہ حقائق کائنات کو بیان کرتے ہیں ۔ مگر اس طرح کہ معمولی دل و دماغ والے آدمی بھی اُن سے لطف اندوز ہو سکیں ۔ بہت بڑے مصنف اور بہت بڑے شاعر اسی طرح کہتے ہیں ۔ کہ عظیم الشان مسائل کو نہایت آسان زبان میں حل کر دیا جائے ۔ کہتے ہیں ؎

امید و بیم زیست سے فرصت نہیں مجھے ۔ کیسے کہوں کہ عقل مصیبت نہیں مجھے
مرنا ہے قبل مرنے کے مجھ کو ہزار بار ۔ اے موت جا کہ مرنے کی فرصت نہیں مجھے
اس دردِ لا دوا میں ہے انسانیت کا راز ۔ کیونکر کہوں کہ عشق غنیمت نہیں مجھے
ہے ترکِ آرزو میں بھی اک رنگِ آرزو ۔ حاصل کسی طرح بھی فراغت نہیں مجھے

آخری شعر کس قدر صحیح ہے ۔ انسان کی تغیر پسند فطرت کسی طرح خوش نہیں رہ سکتی ۔ لیکن اگر صرف یہی بات کہی جاتی ۔ تو آپ اس قدر متاثر نہ ہوتے ۔ جس قدر اب ۔ کیونکہ اس حالت میں شعر میں اس حقیقت کو عشق کا جامہ پہنایا گیا ہے ۔

تیسرے یہ کہ تراکیب کے تنوع اور رنگینی سے وہ کلام کو نہایت پُر زور بنا دیتے ہیں ۔ مثلاً اس غزل میں جس کا مطلع ہے

عشق میں مغموم رہنا ہے خوشی میرے لئے

باعثِ تسکیں ہے دل کی بیکلی میرے لئے

یہ شعر کس قدر پُر کیف ہے۔ شعر

اے خدا غیروں کو حاصل ہو فروغِ حسنِ دوست

اور یہ اندوہِ دردِ بیکسی میرے لئے!

دوسرا شعر ہے ؎

ہوں مبارک زاہدوں کو جاوداں حور و قصور

عالمِ فانی کا حسنِ عارضی میرے لئے

اس شعر میں 'جاوداں حور و قصور' کی ترکیب نے معانی میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جذبات کے بیان میں وہ ایسے گداز الفاظ اور دردناک انداز سے کام لیتے ہیں۔ کہ بے اختیار دل میں ایک درد سا محسوس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

کرتا ہوں میں بیانِ ستم بر سبیلِ ذکر ہر چند اُن سے کوئی شکایت نہیں مجھے

آئے تسکینِ اضطراب کو وہ اور بھی کچھ چلے سوا کر کے

دل حسرتِ جمال میں برباد ہو چکا کب تک ہمیں جمال دکھایا نہ جائیگا

ہو گئے ایک مہرباں سے جُدا مٹ گیا لطف زندگانی کا

ابھی سے ہے مصیبت پر مصیبت دیکھئے کیا ہو

یہ ہے آغاز تو انجامِ الفت دیکھئے کیا ہو

وصالِ یار میں دل کو سکوں حاصل نہیں ہوتا
یہ عالم ہے تو رنگ شام فرقت دیکھئے کیا ہو

اس مضمون کو دو تین اشعار پر ختم کرتا ہوں۔ جو مجموعی طور پر اُن کی رفعت تخیل کے آئینہ دار ہیں ؎

اُن کے جلوؤں نے پھول برسائے
ناز کی گلفروشیاں نہ گئیں

ظلم بھی اُن کے لطف ٹھیرائے
دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں

تصوّر کی خیال آرائیاں دل سے نہیں جاتیں
نکلکر تیری محفل سے تیری محفل میں رہتے ہیں

تجھ کو اللہ نے بخشا ہے یہ کیا حسنِ کلام
تیرے انکار میں اقرار نظر آتا ہے

پوچھ گلکاریِ داماں کی حقیقت مجھ سے
یہ ہیں وہ نقش جو بتخانۂ آذر میں نہیں

گرانقدر رائیں

مصورِ فطرت مولینا حسن نظامی دہلوی

مجموعۂ کلامِ اکبر قلمی صورت میں میرے پاس آیا۔ گویا یہ پیام لایا۔ کہ اگر قدرت نے تجھکو شاعر نہیں بنایا ایک مصرعہ موزوں کرنے یا موزوں پڑھنے کی صلاحیت نہیں دی توکیا مضائقہ ہے۔ شعراء تجھ سے اپنے کلام پہ رائے دریافت کرینگے۔

اور لکھ کہ پنجاب کے اکبر کا کلام ایسا ہے۔ کہ اس کو کلام کہہ سکتے ہیں +

حضرت اکبر الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی کی مشابہت ہمیشہ اکبر میرٹھی کے نام سے ہو جایا کرتی تھی۔ مگر شکر ہے۔ کہ باپ بیٹے کے بعد اب تیسری روح القدس نے بھی اپنا تخلص اکبر رکھا +

کلامِ اکبر کی نسبت وہ شخص کیا رائے دے۔ جس کو سخن فہمی سے کچھ بھی لگاؤ نہیں ہے۔ نہ عالم بالا کی سی سخن فہمی ہے نہ عالم اسفل کی سخن فہمی ہے۔ البتہ یہ خیال ضرور ہے۔ کہ پنجاب کی شاعری اب ترقی کر رہی ہے۔ اور دہلی و لکھنؤ کا تیسرا ہمسر پیدا ہو رہا ہے۔ اکبر انہی ہونہار افراد میں ہیں۔ جو پنجاب کی عزت کو بڑھا رہے ہیں +

کلامِ اکبر کی نسبت صرف یہی کہہ سکتا ہوں - کہ اس
میں سلاست ہے - نفاست ہے - اور اثر ہے ؎

حسن نظامی دہلوی
۱۱ر فروری سنہ ۱۹۳۶ء

مولینا سید سلیمان ندوی صاحب ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ

محترم السلام علیکم
میں ان دنوں کچھ تو اپنی اہلیہ کی علالتِ شدید کے
باعث - اور کچھ جمیعتہ العلماء کی صدارت کے سبب پریشانِ
خاطر رہا - آپ کا مجموعۂ غزلیات جابجا سے دیکھا - تعجب
ہوا کہ پنجاب کی سرزمین اب کیا گل کھلانے والی ہے -
آپ کی غزلیں نہایت ہموار - نہایت شیریں ہیں - فارسی
ترکیبوں کا اعتدال - ابتذال سے پرہیز - اظہارِ جذبات
میں احتیاط اور بلندی - الفاظ میں سادگی - آپ کو
پنجاب کا حسرت موہانی کہنے پر مجبور کرتی ہے - خصوصاً
چھوٹی بحروں میں آپ کی غزلیں حسرت کا نقش ثانی معلوم
ہوتی ہیں - میں آپ کو آپ کی اس کامیابی پر دل سے
مبارکباد دیتا ہوں - کبھی کبھی معارف کو بھی یاد رکھیے گا ؎
آجکل بعض اصحاب یا تو غلط فارسی ترکیبوں میں
پھنسے ہوئے ہیں یا محقق گذشتہ اردو شعراء کی غزلوں کو

دوبارہ الٹ پلٹ کر اپنی نظم بنانے کی فکر میں ہیں۔ کثرت گوئی جس کا دوسرا نام پُرگوئی یا یاوہ گوئی ہے۔ وہ مرض بھی آجکل عام ہے۔ اور بیچارہ اڈیٹروں کو اس کا بڑا برا تجربہ ہوتا ہے۔ خدا ہر شریف صاحب قلم کو اس وبا سے محفوظ رکھے۔

والسلام

سید سلیمان

۱۸ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

مصوّرِ جذبات خان شبیر حسین خانصاحب جوش

آپ کی غزلیں ماشاءاللہ بہت خوب ہیں۔ آپ کا طرزِ بیان اور رنگ تغزل بہت دلفریب و دلنشین ہے آپ کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ پہلو میں دردمند دل رکھتے ہیں۔

یہ صحیح ہے۔ کہ آپ ابھی نوجوان ہیں۔ اور آپ کی شاعری بھی نوجوان ہے۔ لیکن آپ کی افتاد طبیعت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر مشق جاری رہی۔ اور مطالعہ وسیع تر ہوتا گیا۔ تو آپ کا رنگ تغزل ابھی اور بھی نکھریگا۔

شبیر حسین جوش

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

علامہ پنڈت برج موہن صاحب کیفی

جس سرگرمی سے پنجاب اردو میں ترقی کر رہا ہے۔ وہ حقیقت میں امید بخش اور تحسین انگیز ہے۔ نئے طرز کے لکھنے والوں میں پنجاب کسی خطہ سے پیچھے نہیں۔ شاعری کا جہاں تک تعلق ہے۔ سر اقبال کی ذات والاصفات سے قطع کر کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان شاعروں کی تعداد روز بروز ترقی پر ہے۔ جو سخن سنجی میں معتدبہ حصہ لے رہے ہیں۔ یہی کہنا کافی نہیں۔ بلکہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ اچھا کہنے والوں میں پنجاب کے شعرا کی تعداد کہیں سے کم نہیں۔ اسی تعداد میں مسٹر جلال الدین اکبر شامل ہیں۔ جن کے مجموعہ کلام پر راقم سے چند سطور لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔

اکبر کی زبان اور کلام کی پرداز اگرچہ اردو نظم کے تازہ سکول سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس کی بنیاد کلاسیکل ہے۔ یہ تازہ سکول کیا ہے اور کلاسیکل سکول سے کیا امتیاز رکھتا ہے۔ اس بحث کا یہ موقع نہیں۔ اس مجموعے میں آپ کو غزلیں ملینگی۔ مگر ان کا طرز بیان اور ماحول عام رندانہ شاعری سے جدا ہے۔ اکبر نے بہت اچھی زبان پائی ہے۔ جو رنگین بھی ہے۔ اور شیریں بھی۔ مضامین اعلے جذبات کو لئے ہوئے۔ بندش برجستہ اور اسلوب دلآویز ہے۔ کلام میں ولولہ انگیزی ہے۔ کیا اچھا کہتے ہیں ؎

یہ کس کا کاروانِ ناز گزرا آسمانوں سے
بہارِ کہکشاں دامنِ کشاں معلوم ہوتی ہے
مری رگ رگ میں لطفِ زندگی کی موج رقصاں ہے
طبیعت بادۂ غم سے جواں معلوم ہوتی ہے

تصنّع اور آورد جو کلام کے عیب ہیں۔ آپ کے ہاں نہیں پائے جاتے۔ کیا خوب کہہ گئے ہیں ؎

تمکینِ ناروا میں وہ پُرسش نہ کر سکے
خودداریوں میں ہم سے شکایت نہ ہو سکی

نگاہِ حسن میں اللہ بھر دیں شوخیاں تو نے
دلِ عشق سکوں دشمن میں رکھ دیں بجلیاں تو نے
خموشی کا مری چرچا ہوا اقصائے عالم میں
کیا رسوا مجھے اے شیوۂ ضبطِ فغاں تو نے

اکبر صاحب کی شاعری وہبی جوہر ہے۔ جو قدرت نے ان کو عطا کیا۔ جو باتیں شاعری کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ان میں موجود ہیں۔ اگر مشق جاری رہی۔ اور نظرِ ثانی سے محترز نہ رہے۔ تو اُس سے زیادہ دلکش حسنِ کلام کے مالک ہو جائینگے۔ جو انہوں نے عالمِ خیال میں کسی خاص ذات سے منسوب کیا ہے

تجھ کو اللہ نے بخشا ہے یہ کیا حسنِ کلام
تیرے انکار میں اقرار نظر آتا ہے

کیفی

مولٰینا نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار

گزشتہ رُبع صدی کے اندر اردو نے جس سریع رفتار کے ساتھ ترقی کی ہے - اُس کے ثبوت میں جہاں اور دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں - وہیں ایک دلیل یہ بھی ہے - کہ اس مدت میں شاعری کا رنگ بالکل بدل گیا - اور دورِ اخیر کی شاعرانہ بے اعتدالیوں کا احساس عام ہوگیا +

یہی سبب ہے - کہ اب جو شاعر بھی رونما ہوتا ہے - اس کے خیالات بلند اور جذبات وناءت سے معّرے ہوتے ہیں - علے الخصوص اہلِ پنجاب کہ ان کی شاعری کی ابتداء ہی اس ترقی یافتہ دور میں ہوئی - اور اقبال کی پیدا کی ہوئی فضا میں اس نے آنکھ کھولی +

اس وقت شاعری دو بڑی بڑی تقسیموں سے گزر رہی ہے - عاشقانہ و غیر عاشقانہ - اول الذکر سے میری مراد تغزل ہے - اور موخرالذکر سے وہ منظومات جن میں رنگ تغزل سے ہٹ کر جذبات کا مسلسل بیان ہوتا ہے اس سے غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا - کہ تغزل کی افراط اور اس کے ساتھ اس کی ترقی جس قدر یوپی میں ہوئی - کسی دوسری جگہ نہ ہو سکی - اور نہ ہو سکتی تھی - کیونکہ اُردو یہاں کی عام زبان تھی - لیکن جب جدید تعلیم کے ماتحت زبان میں مغربی حالات و جذبات کو درخور حاصل ہوا - اور شاعری کی دوسری قسم پیدا ہونے لگی - تو اہلِ

پنجاب نے اس کے حصول میں سبقت کی - پھر چونکہ اردو
ان کی مادری زبان نہ تھی - اور اُس کے اکتساب کی طرف
انھوں نے اُس وقت توجہ کی - جب مغرب کے اثرات
قوی ہوچکے تھے - اس لئے کہا جا سکتا ہے - کہ پنجاب میں
شاعری کی ابتداء غیر عاشقانہ رنگ سے ہوئی - اور بعد کو
جب عاشقانہ شاعری کا دور شروع ہؤا - تو اس میں بھی
وہی غیر عاشقانہ منظومات کا رنگ نمایاں رہا - جن میں رکیک
جذبات کے اظہار کا کوئی موقعہ ہی نہ تھا ۔

پنجاب کی شاعری پر یو - پی والوں کا بڑا اعتراض
یہ رہا ہے - کہ اس میں زبان کی غلطیاں بہت ہوتی
ہیں - لیکن چونکہ اہل پنجاب کی شاعری زبان کی نہیں -
بلکہ صرف جذبات کی شاعری ہے - (جیسا کہ اُن کی فارسی
ترکیبوں سے مخلوط زبان سے ثابت ہوتا ہے) اس لئے اس
پر یہ اعتراض کرنا میرے نزدیک درست نہیں ۔

میں اس وقت اس موضوع پر کسی بسیط مضمون لکھنے
کے لئے نہیں بیٹھا - کہ تفصیل سے کام لوں - لیکن
چونکہ پنجاب کے ایک نوجوان شاعر کی شاعری کے متعلق
مجھ سے رائے طلب کی جاتی ہے - اس لئے مختصراً اتنا
لکھنا ضروری تھا ۔

اکبر کی غزلوں کا قلمی مسودہ جو بطلب رائے میرے
پاس آیا ہے - سرسری نگاہ سے میں نے دیکھا - اور
اس کی فارسی ترکیبوں کو دیکھ کر مجھے حیرت نہیں ہوئی -
کیونکہ اب یہ رجحان عام ہے - لیکن یہ معلوم کرکے ضرور

تعجب ہوا - کہ یہ غزلیں اکبرؔ نے اس وقت کہی تھیں جب وہ میٹرک میں تعلیم پاتے تھے - معلوم ہوتا ہے - کہ اکبرؔ کی نشوونما اہلِ علم و صاحبانِ ذوق کے حلقہ میں ہوئی ہے - اور قدرت کی طرف سے ان کو اصلاح پذیر دماغ عطا ہوا ہے۔

اکبرؔ کے کلام میں بھی اسی رنگ کی جھلک نمایاں ہے جو عام طور پر تمام پنجاب کے قابلِ ذکر شعرا میں پایا جاتا ہے اور جس میں رکیک جذبات و دنی خیالات کو نظم نہیں کیا گیا - فارسی ترکیبیں بھی جا بجا حسن کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں - اور مضمون آفرینی کے نمونے بھی ملتے ہیں - مثلاً

حیرت فروز ہو گئیں تیری تجلیاں — دیدارِ برقِ حسن کی جرأت نہ ہو سکی
تمکین نارواہیں وہ پرسش نہ کر سکے — خودداریوں میں ہم سے شکایت نہ ہو سکی

ہر دل ہے جوش بادۂ الفت سے میکدہ — تیری نگاہ انجمن آرائے کیف ہے

ہو گیا حسن شرمسار جفا — عشق نادم ہوا گلا کر کے

مرے دیر آشنا کو مجھ سے الفت ہوتی جاتی ہے
تمنا دل کی پامال مسرت ہوتی جاتی ہے

چھوٹی زمینوں میں بعض سادہ رنگ کے اشعار بھی نہایت پر لطف ہیں - مثلاً

عشق میں طے نہ ہو سکا قصہ — ارنی اور لن ترانی کا

کون رازِ جہاں پہ غور کرے ہاں کوئی میگسار پیدا ہو

جو رہی اُن کے لطف ٹھیرائے دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں

کہیں کہیں خامی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے

یہ کیا کم ہے کہ حسنِ بیوفا مائل وفا پر ہے
یہ کیا کم ہے مری محنت سوآرت ہوتی جاتی ہے

اول تو محبت، ندامت، راحت، وغیرہ کے ساتھ سوآرت کو قافیہ بنانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے یہ کہ لفظ سوآرت عورتوں کی زبان ہے۔ مرد بہت کم استعمال کرتے ہیں ؛

یا یہ شعر :-

داغِ دل میرے ستاروں سے نہیں کم ہیں فلک
شکر کر شکر کہ ساروں کو چھپا رکھا ہے

اگر مشق جاری رہی۔ تو امید ہے کہ اکبر کا شمار پنجاب کے خوشگوار و خوش فکر شعراء میں ہونے لگیگا۔ اور ابتدائی منازل سے گزرنے کے بعد جب ان کے کلام میں پختگی پیدا ہو جائیگی۔ تو ان کا موجودہ رنگ بہت زیادہ دلکش انداز اختیار کر لیگا ؛

نیاز فتحپوری

۱۴ر فروری ۱۹۲۶ء

بلیغ الملک علامہ تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج لاہور

عزیز فاضل مسٹر جلال الدین اکبر کے بہت سے عقیدتمندوں میں سے مَیں بھی ہوں - میں انہیں اخلاقی اعتبار سے بہت اچھا سمجھتا ہوں - ان کے کلام کی دل سے قدر کرتا ہوں - مولانا حسرت موہانی اردو شعراء میں صاحب طرز ہیں - اکبر کے کلام میں حسرت کا رنگ تغزل کوٹ کوٹ کر بھرا ہؤا ہے - وہی ترکیبیں - وہی رنگین پیرایۂ بیان - اکبر کو حسرت کا متبنیٰ کہوں تو بجا ہے - اکبر کے قبلۂ شاعری حسرت کی ہمنوائی پر اس تقریظ کو ختم کرتا ہوں ؂

نہیں عیب کچھ ان میں اور ہو بھی حسرت
تو ہم لوگ ہیں صرف آگاہِ خوبی

تاجور

ابو المعانی مرزا یاس یگانہ لکھنوی

مسٹر جلال الدین اکبر کا مجموعۂ کلام میری نظر سے گزرا - مجھے اس وقت اتنی فرصت نہیں - کہ صحیح تبصرہ کا حق ادا کر سکوں - البتہ مطالعہ سے یہ اندازہ ضرور ہؤا - کہ اگر جناب موصوف کی دماغی نشو و نما معتدل آب و ہوا میں ہوتی رہی تو طبیعت بہت جلد

رنگ پکڑ لے گی۔ آپ کا یہ شعر:-

سبب ترکِ محبت نہیں کہنے بنتا
کوئی اندازِ ستم میرے ستمگر میں نہیں

آپ کے ذوقِ نظر کی دلیل ہے ؎

حسن خود بیں کی اک ادا ہے یہ   رازِ ہستی سے آشنا ہیں ہم

یعنی یہ کہ "ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں"

تجھکو اللہ نے بخشا ہے یہ کیا حسن کلام
تیرے انکار میں اقرار نظر آتا ہے

مضمون پیش پا افتادہ ہے۔ مگر حسن کلام نے کیا تازگی پیدا کی ہے ؎

اکبر اول اور ترکِ محبت غلط! غلط!!!
الفت وہ جرم ہے کہ ندامت نہیں مجھے

کیا خوب فرمایا ہے۔ بقول خواجہ آتش ؎

سو ہنر سے بڑھکے اک عیب محبت ہم میں ہے

مرزا یاس

صاحبزادہ سید غلام رسول صاحب طاہر ایڈیٹر نونہال

روشن ہے روزگار اقلیم سخن   اکبر ہے تاجدارِ اقلیم سخن
فردوس خیال ہے تغزل اس کا   اللہ رے یہ بہارِ اقلیم سخن

نظمیّات

شفقِ صبح

ہزار داستان لاہور

بہارِ صبح عجیب دل‌فروز منظر ہے ہوائیں مشک فشاں ہیں فضا معطر ہے
شفق کے رنگ سے لبریز چرخِ اخضر ہے کوئی کہے کہ یہ موجِ شرابِ احمر ہے

چھلک پڑے ہیں ستاروں کے جام بلوریں
تو سطحِ چرخ ہوئی ہے شراب سے رنگیں

یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے؟ کیا ہے؟ ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے؟ کیا ہے؟
یہ روز و شب کا مقامِ وصال ہے؟ کیا ہے؟ مری نگاہ کی حدِ کمال ہے؟ کیا ہے؟

بلندیوں پہ یہ رنگیں مکان کیسا ہے؟
جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے؟

طلسمِ رنگ کہے مستیٔ بہار کہے رخِ نگار کہے قصرِ زر نگار کہے
بلند بام کہے آسماں وقار کہے جو دیکھ لے کوئی شاعر تو لالہ زار کہے

فروغِ نور سے کل کائنات رنگیں ہے
مگر عروسِ فلک کو خیال تزئیں ہے

ہے سطحِ آب کی گہرائیوں میں طورِ شفق بہارِ موج پہ رقصاں ہے عکسِ نورِ شفق

ہر ایک چیز ہے غرقِ مئے طہورِ شفق   ہر ایک چیز پہ طاری ہوا سرورِ شفق

چھلک رہی ہے مینائے رنگ و بو گویا

شراب نوش ہے دنیائے رنگ و بو گویا

شفق کا سُرخ سا آنچل نظر کی جنت ہے   وہ رنگ ہے کہ عیاں رنگِ حسنِ فطرت ہے

لطافتوں میں شفق حاصلِ لطافت ہے   ہجومِ کیف ہے لبریز و نورِ عشرت ہے

تاثرات ہجومِ سرور میں گم ہیں

تصوّرات ہجومِ سرور میں گم ہیں

کسی کی یاد ہے دنیائے دل میں عنبر بیز   کسی کی یاد ہے دنیائے عشق میں گلریز

نہال پرور کیف آشکار و عشرت خیز   بہار پیکر و درد آشنا و مہر انگیز

کسی کے حسن کے جلوے نہاں ہیں آنکھوں میں

بہارِ عشق کی رنگینیاں ہیں آنکھوں میں

ایک تصویر کو دیکھ کر

مندرجہ ذیل نظم میں سرکار کی ایک تصویر "مخفی خیالات" پر کہی گئی ہے تصویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک نوجوان حسین عورت نہا کر سنورنے کے لئے آئینہ خانہ میں جاتی ہے۔ اور اپنی صورت دیکھ اُس کے دل میں ایامِ گذشتہ کی محبّت تازہ ہو جاتی ہے اکبر

کِسی کا آئینہ خانہ نگاہ پرور ہے
کہ جلوہ ریز وہاں اک بہشت پیکر ہے
وُہ حُسن جس کی چمک ضوفشانِ دنیا ہے
کوئی کہے کہ مئے ارغوان دنیا ہے
وہ دِلکشی کہ رُخِ ماہِ زرد ہوتا ہے
یہیں تو جلوۂ خورشید گرد ہوتا ہے
بہشت زار ہے یہ حسنِ نازنیں اِس کا
بنا ہے نور سے یہ جسمِ مرمریں اس کا

مصوّروں کی نظر دیکھ کر پریشاں ہے
سمن فروشِ نظر ہے کہ رنگ عریاں ہے
فروغِ حسن ہے یا رنگ و بو کا طوفاں ہے
کوئی کہے کہ مجسّم بہارِ خنداں ہے
مہک اُٹھی ہیں ہوائیں وفورِ خوشبو سے
چمک اُٹھی ہیں فضائیں نگاہِ جادُو سے

نہا کے آئی تھی آرائش جمال کو وہ
نہا کے آئی تھی اَفزائشِ جمال کو وہ
جمال آئینہ میں اُس کا جلوہ پیرا تھا
خیال مملکتِ عاشقی میں پہنچا تھا
جھکی ہوئی ہیں نگاہیں حیا کی حالت میں
ہوئی ہے غرق وہ رنگینیٔ محبت میں
نظر میں ہیں وہ شب و روز دَورانِ وصال
جھلک اُٹھا ہے تصوّر میں وہ جہانِ وصال

تاثّرات پہ بارش ہے شادمانی کی
یہ مستیاں ہیں مگر بادۂ جوانی کی
وہ کہہ رہی ہے کہ کیا بیکسی برستی ہے
نگاہ صورتِ دلدار کو ترستی ہے
گیا وہ دور کہ آئینہ دارِ حسن تھے وہ
گیا وہ دور کہ میری بہارِ حسن تھے وہ
"بہار نام کی ہے کام کی بہار نہیں
کہ دشتِ شوق کسی کے گلے کا ہار نہیں"

بیکسی

اب تمنّائے عرشِ حال نہیں　　اب وہ رنگینیٔ خیال نہیں
اب مجھے ہجر کا ملال نہیں　　اب میں حسرت کشِ وصال نہیں
اب نہیں دل میں آرزو کوئی
اب نہیں مجھکو جستجو کوئی

"اقبال"

حسنِ ساقی تو ہے آئینۂ بزمِ مینوش
کفِ ساقی کو ہے رنگینیٔ جام آئینہ

رخِ روشن تو ہے آئینۂ بیتابیٔ عشق
رخِ روشن کے لئے ماہِ تمام آئینہ

نورِ عشرت کے لئے آئینہ ہے جلوۂ طور
ظلمتِ غم کو ہے تاریکیٔ شام آئینہ

حسن آئینۂ رسوائیٔ بازارِ وفا
عشق کو جلوۂ حسنِ لبِ بام آئینہ

محفلِ خلد ہے آئینۂ فردوسِ خیال
بزمِ مستی کے لئے عشرتِ خام آئینہ

مئے گلگوں تو ہے آئینۂ اندوہِ خمار
دل کی مستی کے لئے شربِ مدام آئینہ

"حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن
"اقبال"

"دِل اِنساں کو تِرا حسنِ کلام آئینہ"

حُسنِ تلوّن

النّور — دکن

کیسی بخشی ہے خدا نے یہ طبیعت مجھکو
لئے پھرتی ہے سدا جانبِ رفعت مجھکو
اپنے اس حسنِ تلوّن پہ فدا ہوں اکبر
آج ذرّے سے ہے کل مہر سے الفت مجھکو

لسان العصر اکبر (مرحوم)

ہزار داستاں — لاہور

اُس کے اقوال رازدارِ ممات
اُس کے اشعار نکتہ سازِ حیات

جب ملا شاعروں کو حسنِ قبول
اور پھر ان کو مختلف درجات
اُس نے پائی زبانِ نکتہ طراز
اُس نے پایا کلامِ خندہ صفات
غرق اُس کی زبان تمسخر میں
ہر تمسخر میں اُس کے تلمیحات
آئینہ دارِ غم تھی اُس کی ہنسی
اُس کے ہنسنے میں لاکھ لاکھ نکات
اُس کی ہر نظم کے معانی میں
قوم کی زندگی کی تصریحات
اُس کی تفسیرِ عاشقی کو دوام
اُس کی تشریحِ زندگی کو ثبات
ذہن پہ بارشیں تصوف کی
یعنی ہر لفظ میں تجلیات
اُس کی تلقینِ علم کا سورج

اور تہذیب نو انا مصری رات

"لاکھ مضموں اور اس کی ایک ٹھول

سو تکلف اور اُس کی سیدھی بات" "حالی"

خونِ آرزو

یاد ایامیکہ فطرت یاس سے واقف نہ تھی

یاد ایامیکہ وہ کرتے تھے میری دلدہی

یاد ایامیکہ مجھ پر تھیں کرم کی بارشیں

یاد ایامیکہ کشتِ شوق رہتی تھی ہری

یاد ایامیکہ تھے وہ مائلِ رسمِ وفا

یاد ایامیکہ کرتے تھے وہ اکبر پروری

یاد امیکہ دل تھا شاد کامِ آرزو

یاد ایامیکہ پیہم تھی مجھے حاصل خوشی

وہ غلط انداز نظریں محفلِ اغیار میں
آہ وہ نظریں جو تھیں رشکِ فسونِ سامری
کیا طلسمِ بیخودی تھی خلوتِ راز و نیاز
مدتوں تک جس میں شمعِ آرزو روشن رہی
وہ زمانہ اور تھا کچھ یہ زمانہ اور ہے
شوق تھا جب کارفرما یاس کا اب دور ہے

ہمنشیں کیا چھیڑتا ہے داستانِ آرزو
مدتیں گزریں کہ چھوٹا آستانِ آرزو
کر چکے وہ آہ میری دلنوازی کر چکے
ہو چکا آباد یہ ویرانِ جہانِ آرزو
وہ نہیں سنتے نہیں سنتے کسی کا رنج و غم
بات کرنے کو ترستی ہے زبانِ آرزو
بہرِ لطف و کرم تھی ان کی چشمِ مے فروش

کیف پرور کس قدر تھا وہ زمانِ آرزو
وہ زمانہ بھی زمانہ تھا عجب عشرت نواز
جب سرِ پرشور تھا اور آستانِ آرزو
آہ کیا برباد کن ہے قہر کی اُن کی نظر
اب کہیں دل میں نہیں نام و نشانِ آرزو
اُس ستم پرور کی اکبر کثرتِ بیداد نے
کر دیا برباد یکسر خان و مانِ آرزو
آہ وہ طرزِ بہارِ گلفشانِ عاشقی
کاش آجائے وہی رنگِ زمانِ عاشقی

تجدیدِ آرزُو

پیارم ہشتی　　امرتسر
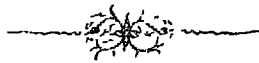
یار کی جانب سے اقرارِ وفا ہونے لگا
وہ یہ کیا کرنے لگا ہم سے، یہ کیا ہونے لگا

اضطرابِ شوق پھر دل میں سوا ہونے لگا
وہ تغافل آشنا پھر آشنا ہونے لگا

تلخ کامی ہائے انجامِ محبّت بھول کر
لذّتِ آغاز کا دِل مبتلا ہونے لگا

حالتِ مستی میں اپنا یہ دِلِ مضطر فدا
پھر کسی کی لغزشِ مخمور کا ہونے لگا

پھر نگاہِ ناز سے رہنے لگی کچھ ساز باز
پھر دلِ مایوسِ غم کو حوصلا ہونے لگا

پھر ہمیں آٹھوں پہر یادِ صنم رہنے لگی
دِل ہمارا بے نیازِ ماسوا ہونے لگا

پھر وصال و ہجر کی وہ کشمکش رہنے لگی
پھر حیات و موت کا حاصل مزا ہونے لگا

خود نمائی پھر اُسے کرنے لگی ہے بے حجاب
لو ہمارے ہوش کا پھر خاتمہ ہونے لگا

دے رہا ہے پھر فریبِ دلنوازی وہ مجھے

پھر طلسمِ عشق میں دل مبتلا ہونے لگا
بے نیازی بن گئی ہے پھر کسی کی التفات
قیدِ غم سے پھر دلِ شیدا رہا ہونے لگا
پھر ہُوا ہوں باریابِ آستانِ عاشقی
پھر سرِ پرشور میں سودا سوا ہونے لگا
پھر ہمارے آنسوؤں سے تر ہے اُس کی آستیں
گریۂ خونیں پھر اپنا غم رُبا ہونے لگا
پھر نگاہِ گرم اُس کی ہو گئی سرگرمِ ناز
گرم اپنے دل کا پھر آتش کدہ ہونے لگا
التہابِ آتشِ دوزخ ہے دل میں موجزن
ہر نفس مثلِ ہوا پھر شعلہ زا ہونے لگا
پھر تڑپتی ہیں حریمِ عاشقی میں بجلیاں
اضطراب آموز پھر رنگِ حیا ہونے لگا
حسن سے پھر سرکشی کرتا ہے عشقِ فتنہ خیز
یعنی تسلیم و رضا کا فیصلہ ہونے لگا

پھر وفائے حسن کا ہے امتحاں مدِ نظر
پھر جنونِ بیخودی اُس سے خفا ہونے لگا
پھر ہمیں کہنے لگا وہ بیوفا و بے لحاظ
پھر ہماری بے نیازی کا گِلا ہونے لگا
اُس کی محفل سے محبت کامگار آنے لگی
گلستانِ آرزو پہ پھر بہار آنے لگی

انار کلی

حسنِ نظر نواز ترا دلفریب تھا
معمورِ دلکشی سے تنِ جامہ زیب تھا
ہر نازِ شعلہ خیز بلائے شکیب تھا
دل بے نیازِ رنگِ فرازو نشیب تھا
وہ مستیٔ وفا وہ اداہائے سحر کار
مفتوں ترے جمال پہ رنگینیٔ بہار
تیرا جمال شمعِ شبستانِ دلبری
تیرا جمال مطلعِ دیوانِ دلبری

سبر بزمِ نور ہو گیا ایوانِ دلبری
ہر اک طرح کے تجھ میں تھے سامانِ دلبری

دیکھا سلیم نے تجھے دیوانہ ہو گیا
دنیائے حسن و عشق میں افسانہ ہو گیا

تو سحر سازِ حسن تھی وہ سحر سازِ عشق
تو حسن کا صنم وہ خدائے مجازِ عشق

تو عصمتِ جمال تھی وہ پاکبازِ عشق
روشن تھی بارگاہِ نیاز و گدازِ عشق

تو ہنس رہی تھی مہر و وفا کی بہار پہ
تقدیر اشکبار تھی انجام کار پہ

تو بھی اسیرِ کاوشِ تقدیر ہو گئی
افسردہ مثلِ غنچۂ دلگیر ہو گئی

باطل ہر ایک کوششِ و تدبیر ہو گئی
پیدا یہ خوابِ عشق کی تعبیر ہو گئی

وہ شمع رہ گئی نہ وہ پروانہ رہگیا
دونو کا انجمن میں اک افسانہ رہگیا

جب تیرا حسن عشق سے شاداب ہو چکا
خوابیدہ بخت نورجہاں کا تڑپ اٹھا

قسمت نے تجھکو خاکِ محبت بنا دیا
اُس کو عروجِ سلطنت و جاہ کا ملا

اللہ کائنات میں یہ انقلاب ہو
کوئی خرابِ غم ہو کوئی کامیاب ہو

دُعا ہائے مُستجاب

(ترجمہ از ولکوکس)

(۱)

النور دکن　　　　　　　　　　　　　　　　الکمال لاہور

زر و دولت کی جب حق سے دعا کی
ہوا گو ہر چھوا میں نے جو کنکر
سکوں کی بیقراری نے جگہ لی
بہت نادِم ہوا اپنی دعا پر

(۲)

خدا سے میں نے مانگی جاہ و شہرت
جہاں میں ہو گیا مشہور و معروف
مگر یہ بھی ہوئی وجہِ مصیبت
خوشی افسوس اس پر تھی نہ موقوف

(۳)

پھر اُس سے کی محبّت کی تمنّا
ہُوا دل جس کے بر آنے سے مضطر
مجھے اوّل اس آتش نے جلایا
اور اب اک داغ سا باقی ہے دل پر

(۴)

خدا سے کی طلب آخر قناعت
ہُوا قلبِ سیاہ روشن سراپا
میسّر ہے اک اطمینان و قوّت
یہی پہلے تمنّا کاش کرتا

رباعی

جب موجِ غمِ جہاں سے گھبراتی ہے
دل غمِ شہ سے سکوں پاتی ہے
آئینے کی طرح آنسوؤں میں مجھ کو
تصویرِ حسینؑ کی نظر آتی ہے

اکبر

رباعی

آنکھوں کو خاکِ کربلا مل جائے
ہر درد کی جو شے ہے دوا مل جائے
مل جائے حسینؑ ابنِ علیؑ کی الفت
سرچشمۂ آبِ بقا مل جائے

نیر

نقشِ غیر فانی

حصّۂ دوم

اِس حصہ میں ان غزلیات کا انتخاب ہے جو مصنّف نے
میٹرک پاس کرنے کے بعد کہیں

گیلانی پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات
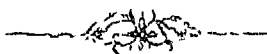
ہزار داستاں　　　　　　　　　　　　　　　　لاہور

بہارِ زندگانی گلفشاں معلوم ہوتی ہے
تری تصویر سینے میں نہاں معلوم ہوتی ہے
مصیبت کشمکشہائے محبت کی نہیں جاتی
وفا کی ٹیس دردِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
فروغِ بیخودی سے اُنکے پیراہن کی رنگینی
کوئی موجِ شرابِ ارغواں معلوم ہوتی ہے
فسانے قیس کے کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں

کتابِ عشق دلکی داستاں معلوم ہوتی ہے

تری چشمِ خمار آلود میں اک سمِّ قاتل ہے
نگاہِ مہربانی جانستاں معلوم ہوتی ہے

تری فرقت میں تاروں کی طرح سب داغ روشن ہیں
زمینِ دل حریفِ کہکشاں معلوم ہوتی ہے

وہ عالم ہے کہ پہروں سانس سینے میں نہیں آتا
شبانہ وہ مرگِ ناگہاں معلوم ہوتی ہے

بہارِ ناز سے اُس نو گلِ رعنا کی اے اکبر
صحبت گلستاں در گلستاں معلوم ہوتی ہے

[illegible]   شادماں جے پور

تری فرقت میں ہر شے جانستاں معلوم ہوتی ہے
شفق بھی ایک چشمِ خونچکاں معلوم ہوتی ہے

وہ زنداں اُنکا سنگِ آستاں ہے مہر کی صورت
جبینِ عشق خودِ آسماں معلوم ہوتی ہے

نہیں ہے گر تمہاری یادِ شامِ ہجر میں یاری
وہ کیا ہے جو شریکِ بیکساں معلوم ہوتی ہے

تکلّم ہو فدا اہلِ وفا کی بے زبانی پر
کہ جو روح القدس کی ہمزباں معلوم ہوتی ہے

کسی کا ہاتھ دامن پر پڑے معلوم ہوتا ہے
جنونِ غم کی وحشت کامراں معلوم ہوتی ہے

یہ کس کا کاروانِ ناز گزرا آسمانوں سے
بہارِ کہکشاں دامن کشاں معلوم ہوتی ہے

فروغِ حسن لیکر وہ گلستاں میں خراماں ہیں
ہر اک شے گلستاں کی شادماں معلوم ہوتی ہے

وفا کی راہ میں گلزار ہیں رنگینیٔ غم کے
تمہاری جستجو جنت نشاں معلوم ہوتی ہے

وہی گم گشتگانِ شوق کی ہستی ہے اے اکبر
وہ اک شے جو غبارِ کارواں معلوم ہوتی ہے

بہارِ غم بہارِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
بس اک ناسورِ چشمِ خونچکاں معلوم ہوتی ہے
جبیں کا داغ اب روشن نہیں ہوتا نہیں ہوتا
جبیں اب ہم کو ننگِ آستاں معلوم ہوتی ہے
ہر اک نقشِ قدم میں ایک جنت ہے نگاہوں کی
تری رفتار موجِ گلفشاں معلوم ہوتی ہے
نہ وہ آتے ہیں فرقت میں نہ موت آتی ہے فرقت میں
مری ہر ایک محنت رائیگاں معلوم ہوتی ہے
خدا چاہے تو حاصل ہو مجھے بھی وصل کی دولت
وہ دولت جو نصیبِ دشمناں معلوم ہوتی ہے
مری رگ رگ میں لطفِ زندگی کی موجِ رقصاں ہے
طبیعت بادۂ غم سے جواں معلوم ہوتی ہے
مصیبت لاکھ ہو میرا قدم رہ سے نہیں ہٹتا
محبت بے نیازِ این و آں معلوم ہوتی ہے
ہر ایک شے میں تڑپ ہے کاوشِ دردِ محبت کی

ہر اک شے عاشقی کی پروردہ معلوم ہوتی ہے
شراب حسن پینے سے ہمیں تھکتی نہیں تھکتی
نظر میری حریص گلرخاں معلوم ہوتی ہے
چلی آتی ہیں موجیں لطف مضمونکی مرے دل میں
طبیعت ایک بحر بیکراں معلوم ہوتی ہے
کہاں سے آئیں یہ رنگینیاں اشعار اکبر میں
ہمیں عابد کی یہ طرز بیاں معلوم ہوتی ہے

نگار بھوپال — النور دکن
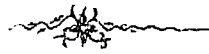
امید و بیم زیست سے فرصت نہیں مجھے
کیسے کہوں کہ عقل مصیبت نہیں مجھے
مجھکو سنا رہے ہیں وہ افسانہائے قیس
گویا جنوں نہیں مجھے وحشت نہیں مجھے
یہ بھی ضرور نہیں اے نگاہ یار
کیا عرض حال کی بھی اجازت نہیں مجھے؟

مرنا ہے قبل مرنے کے مجھکو ہزار بار
اے موت جا کہ مرنے کی فرصت نہیں مجھے
اس دردِ لا دوا میں ہے انسانیت کا راز
کیونکر کہوں کہ عشق غنیمت نہیں مجھے
یا یہ کہ تم ہو دشمنِ اربابِ اشتیاق
یا پھر کمالِ عشق ودیعت نہیں مجھے
وہ خوب جانتے ہیں مرے دل کی آرزو
اظہارِ آرزو کی ضرورت نہیں مجھے
اس جنسِ ناقبول کو لیجائیے کہاں
کہتے ہو تم وفا کی ضرورت نہیں مجھے
ہے ترکِ آرزو میں بھی اک رنگِ آرزو
حاصل کسی طرح بھی فراغت نہیں مجھے
پھر اُس کو چاہتا ہے دلِ آرزو پسند
جس سے امیدِ غیرِ عداوت نہیں مجھے
میں اور قصدِ انجمنِ دلفریبِ دوست

"یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے"
اکبرؔ دل اور ترکِ محبت! غلط!! غلط!!!
الفت وہ جرم ہے کہ ندامت نہیں مجھے

تابِ بیانِ دردِ محبت نہیں مجھے
اندیشۂ سکونِ طبیعت نہیں مجھے
وہ چشمِ دلنواز ہے پھر بر سرِ کرم
حاصل سکونِ یاس کی راحت نہیں مجھے
افسردگی سے عشق کی واقف نہیں ہوں میں
یعنی خمارِ بادۂ حسرت نہیں مجھے
مرتا ہوں جانگدازیٔ فرقت کے لطف پر
اندوہِ جانگدازیٔ فرقت نہیں مجھے
اب انتہائے شوق نے بیخود بنا دیا
اب امتیازِ خلوت و جلوت نہیں مجھے

مدت سے میرا دل تو ہے بیگانۂ کرم
اب التفاتِ یار کی حاجت نہیں مجھے

اللہ رے حسنِ یار کی رنگ آفرینیاں
نظارۂ جمال کی جرأت نہیں مجھے

کچھ بات تھی کہ اُن سے محبت ہوئی مجھے
کچھ بات ہے کہ اُن سے محبت نہیں مجھے

آتا نہیں ہے چین بھی اُن کے سوا کبھی
کہتا ہوں یہ بھی "آپ سے الفت نہیں مجھے"

کرتا ہوں میں بیانِ ستم بر سبیل ذکر
ہر چند ان سے کوئی شکایت نہیں مجھے

اکبر ازل سے دل ہے ستم خوردۂ جفا
اندازۂ بہارِ محبت نہیں مجھے
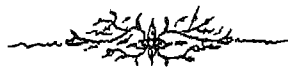
جلوہ ہے تیرا سلسلۂ جنبانِ آرزو
دل میں بپا ہے شورشِ طوفانِ آرزو

دل میرا کیا ہے؟ زخم ہے مرہم سے بے نیاز
تیری نگاہ کیا ہے؟ نمکدانِ آرزو

ہر پردۂ نگاہ میں اک نازِ و تفریب
دیکھے تو کوئی وسعتِ دامانِ آرزو

پیشِ نظر ہے جلوۂ شمعِ جمالِ دوست
پھر جگمگا رہا ہے شبستانِ آرزو

پھر آرزو کا شوق ہوا دل میں جاگزیں
ہر چند ہو چکا تھا پشیمانِ آرزو

میری طرف وہ دیکھکر یوں مسکرا دیئے
پھولوں سے بھر گیا مرا دامانِ آرزو

لورنگِ یاس باعثِ آرامِ جاں ہوا
پایا کبھی نہ دل کو پریشانِ آرزو

لیجو نہ بھول کر بھی کبھی آرزو کا نام

اے دل ہے پاس معنیِ پنہانِ آرزو
مایوس کر سکیں نہ تیری سرد مہریاں
ٹھنڈا ہُوا نہ داغِ فروزانِ آرزو
بیٹھا ہوں اُس کی جلوہ گہِ ناز میں خموش
دل میں دبا ہے شورشِ طوفانِ آرزو
تیرا خیال باعثِ تسکینِ جان و دل (ق)
تیرا جمال رونقِ ایوانِ آرزو
تیرا فراق فتنہ گہِ اضطرابِ شوق
تیرا وصال مرکزِ ایمانِ آرزو
تیری ادا فروغِ صنم خانۂ حیات
تیری نگاہ شمعِ شبستانِ آرزو
ترا کرم عزیز، ترا ستم عزیز تر،
یہ جانِ آرزو ہے وہ جانانِ آرزو (ق)
رنگینیاں کہاں ہیں جہانِ خراب میں
یہ ترانہ کچھ نہیں مگر احسانِ آرزو

مجھ سے نہ پوچھ اہلِ محبت کی داستان
ہیں ہرزہ گرد بادیہ گردانِ آرزو
وُہ عالمِ شباب گیا دل بدل گیا
ثابت ہوئی ہے سستیٔ پیمانِ آرزو
آیاتِ عیش کا یہاں نام ونشاں نہیں
اکبر ہوں میں بھی حافظِ قرآنِ آرزو

ہزار داستان لاہور

اظہار آرزو کی جو ہمت نہ ہو سکی
تم نے سمجھ لیا کہ محبت نہ ہو سکی
اندوہِ شامِ ہجر سے فرصت نہ ہو سکی
ہم سے وصالِ یار کی حسرت نہ ہو سکی
دل کو خیالِ یار سے فرصت نہ ہو سکی
رنجِ شبِ فراق کی خدمت نہ ہو سکی
جھوٹوں ہی پوچھتے کبھی بیمارِ غم کا حال

تم سے نہ ہو سکی یہ مروّت نہ ہو سکی

سب اضطرابِ شوق مِرا رائگاں گیا
تم سے کوئی نگاہِ عنایت نہ ہو سکی

جور و جفائے یار پہ بھی شادماں رہا
یعنی ہمارے دل کو نصیحت نہ ہو سکی

کیوں مٹ رہا ہے اُس بتِ غفلت شعار پر
معلوم ہم کو دل کی حقیقت نہ ہو سکی

داماں یار تک نہ تصوّر میں بھی گیا
اتنی بھی دست شوق سے جرأت نہ ہو سکی

اتنی سرور خیز تھی ساقی کی چشم مست
جام شراب سے مجھے رغبت نہ ہو سکی

اتنا ترے خیال نے بیخود بنا دیا
اندوہِ انتظار کی زحمت نہ ہو سکی

اکبر وفور یاس میں احساس مٹ گئے
آنے سے اُسکے دل کو مسرت نہ ہو سکی

مرزا داؤد خاں

۱۹۳۶ء

رنجِ فراقِ یار کی ہمّت نہ ہو سکی
یعنی دعائے ترکِ محبت نہ ہو سکی

تمکینِ ناروا ہیں وہ پرسش نہ کر سکے
خود داریوں میں ہمسے شکایت نہ ہو سکی

اللہ رے دشتِ عشق میں وارفتگیٔ شوق
مجھ سے تمیزِ راحت و زحمت نہ ہو سکی

رنجِ فراق بن گیا اضطرابِ وصل
حاصل کسی طرح ہمیں راحت نہ ہو سکی

سنتے رہے وہ شوق سے میری شکائتیں
کچھ بات تھی کہ اُنسے ملامت نہ ہو سکی

میری نگاہِ شوق بنی ترجمانِ دل
خاموش رہ زبانِ محبت نہ ہو سکی

حیرت فزو نہ ہو گئیں تیری تجلّیاں
دیدارِ برقِ حُسن کی جرأت نہ ہو سکی

ہم اُن سے اضطراب میں کچھ بھی نہ کہ سکے

بس مختصر یہ ہے کہ صراحت نہ ہو سکی
ہیں شادکامِ عشق دلِ شادماں سے ہم
محسوس کوئی ہم کو مصیبت نہ ہو سکی
اکبر زمینِ شعر نہ تھی درخورِ وفا
آرائش وارِ رنگِ طبیعت نہ ہو سکی

کشاف امرتسر
ہزار داستاں لاہور

عشق میں مغموم رہنا ہے خوشی میرے لئے
باعثِ تسکیں ہے دل کی بے کلی میرے لئے
دل میں روشن ہے چراغِ عاشقی میرے لئے
اک طلسمِ بیخودی ہے زندگی میرے لئے
آرزوؤں کی کشاکش سے سدا محفوظ ہوں
روح پرور کس قدر ہے بیدلی میرے لئے
اُس کی چشمِ مست کہتی ہے زبانِ حال سے
ہیچ ہے سب ہیچ سحرِ سامری میرے لئے

اے خدا غیروں کو حاصل ہو فروغِ حسنِ دوست
اور یہ اندوہِ دردِ بیکسی میرے لئے!
ہیں فروزاں داغہائے دل مثالِ برقِ طور
شامِ ہجراں میں ہوئی ہے روشنی میرے لئے
ہوں مبارک زاہدوں کو جاوداں حور و قصور
عالمِ فانی کا حسن عارضی میرے لئے
میں نے اکبرؔ اس کو پہنچایا ہے تا حدِ کمال
ہے فلک آسا زمینِ شاعری میرے لئے

ہزار داستان لاہور — اجمال سانگلہ ہل

اب کرم آپ کا شعار نہیں
اب وہ الطافِ بے شمار نہیں
ہے ہوس شاد کام وصلِ حبیب
عشقِ پامال کامگار نہیں
یا نظر ہے تمہاری برق مثال

یا مری جان کو قرار نہیں
ہو گئی یاس باعثِ تسکیں
کشمکشہائے انتظار نہیں
پھر وہ کرتے ہیں لطفِ فرمائی
پھر مجھے دل پہ اختیار نہیں
اب سر و پا کا ہے ہوش ہے مجھ کو
اب میں شایانِ لطفِ یار نہیں
کیف افروز ہے تصورِ یار
ہاں نہیں میں شراب خوار نہیں
اب تو جاں آگئی ہے آنکھوں میں
اب مجھے تابِ انتظار نہیں!
اُن سے مجھ کو نہیں امیدِ وفا
وُہ محبت کے رازدار نہیں
تُو نہیں مجرمِ وفا اکبر!
بخدا ہم کو اعتبار نہیں

دل ابتدا سے محوِ تمنائے کیف ہے
سر میں ازل سے نازشِ سودائے کیف ہے

اُس چشمِ مست سے ہے عجب دل کو اختلاط
صہبائے کیف وہ تو یہ مینائے کیف ہے

ہر دل ہے جوشِ بادۂ الفت سے میکدہ
تیری نگاہ انجمن آرائے کیف ہے

ہے طورِ دل پہ بارشِ انوارِ حسنِ دوست
ہر ذرّہ میرے واسطے سینائے کیف ہے

دنیا کے مخمصوں سے ہوئی مخلصی نصیب
آسودگی نواز یہ دنیائے کیف ہے

سرشار اُن کی مست نگاہوں سے ہے نظر
آباد میرے عشق میں دنیائے کیف ہے

اب میں ہوں اور بیخودیٔ شوق کے مزے
اب دل ہے اور حسن تماشائے کیف ہے

یہ ہلکی ہلکی چاندنی مدہوش یہ فضا

دنیا کے ذرّے ذرّے ہیں صہبائے کیف ہے

اُس چشمِ مے فروش پہ بہت سے ہوں فدا
مدت سے میرے دل میں تولّائے کیف ہے

اکبر اسی طرح سے ہے شیدائے حسنِ یار
اب تک وہی ہے سر وہی سودائے کیف ہے

مرقع لکھنؤ — شاداں جے پور
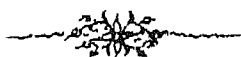
حُسنِ خود بیں کو خود نما کر کے
"کیا مِلا عرضِ مدّعا کر کے"

آئے تسکینِ اضطراب کو وہ
اور بھی کچھ چلے سوا کر کے

اور بھی کر دیا مجھے محتاج
ایک حاجت مری روا کر کے

کیسے گزری گی رات فرقت کی
دن تو کاٹا خدا خدا کر کے

ہوگیا حسن شرمسارِ جفا
عشق نادم ہوا، گلا کر کے

عشق نادم تو حسن ہے مغرور
بے وفا کر کے وہ جفا کر کے

مست گیا وہ نظر کا ذوق اکبر
کیا ملا دل کو پارسا کر کے

النوّر دکن
معراج الکلام امروہہ

کیا کیا سچ بتا اے انقلابِ آسماں تو نے؟
مٹایا مہر و الفت کا زمانے سے نشان تو نے

نگاہِ حسن میں اللہ بھر دیں شوخیاں تو نے
دلِ عشق سکونِ دشمن میں رکھ دیں بجلیاں تو نے

ملی تو کیوں ملی دل کو مرے تقدیر سیمابی؟
دیا تو کیوں دیا پرکالۂ برقِ تپاں تو نے؟

خموشی کا مری چرچا ہوا افضائے عالم میں

کیا رسوا مجھے اے شیوۂ ضبطِ فغاں تو نے

بس اے دستِ جنونِ فتنہ ساماں بس! خدارا بس!!!

اُڑا دیں دامنِ فرزانگی کی دھجیاں تو نے

چمن کا پتہ پتہ وجد میں کیوں ہے مگر رکھدی

وہاں عندلیبِ زار میں میری زباں تو نے

ترنم سے ترے مدہوش سب محفل کی محفل ہے

یہ کیسا سحر پھونکا اکبر جادو بیاں تو نے

شادماں — سجے پور
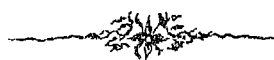
اب دوا میں ہے نہ دعا میں اثر

دلِ بیمار کا خدا حافظ

دستِ وحشت ہوا ہے پھر گستاخ

دامنِ یار کا خدا حافظ

پھر نگہ یار کی ہے برسرِ لطف

دلِ خوددار کا خدا حافظ

کام بگڑے تمام بن بن کر
ہمتِ کار کا خدا حافظ

دل ہے اور آرزوئے وصلِ حبیب
اس ہوسکار کا خدا حافظ

بُت ہی بُت ہر طرف ہیں جلوہ فروش
شیخ دیندار کا خدا حافظ

شاد اُس کو کبھی نہیں دیکھا
اکبرِ زار کا خدا حافظ

مرے دیر آشنا کو مجھ سے الفت ہوتی جاتی ہے
تمنّا دل کی پامالِ مسرّت ہوتی جاتی ہے
وہ ظلمِ ناروا کے ذکر پر شرمائے جاتے ہیں
شکایت بھی مجھے وجہِ ندامت ہوتی جاتی ہے
یہ کیا کم ہے کہ حسن ہو قائل وفا پر ہے

یہ کیا کم ہے مری محنت سوارت ہوتی جاتی ہے
یہ کیا کم ہے کہ میری خستگی محبوب ہے اُن کو
یہ کیا کم ہے مصیبت میں راحت ہوتی جاتی ہے
نہاں ہے جلوۂ حق پردۂ اشکالِ باطل میں
بتانِ دیر سے مجھ کو محبت ہوتی جاتی ہے
فروغِ مے سے کیا چہرہ منوّر ہوتا جاتا ہے
خدا جانے یہ کیا اکبر کی حالت ہوتی جاتی ہے

پیام ہستی — امرتسر
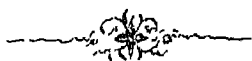
حسن کی ظلم کوشیاں نہ گئیں
عشق کی سرفروشیاں نہ گئیں
آپ کی سرد مہریاں نہ مٹیں
شوق کی گرمجوشیاں نہ گئیں
مجھ سے تشریح آرزو نہ چھٹی
اور اُن کی خموشیاں نہ گئیں

نہ گئے کیفِ بیخودی کے مزے
دل کی پیمانہ نوشیاں نہ گئیں
عشق کی پاکبازیاں نہ مٹیں
حسن کی خود فروشیاں نہ گئیں
اُن کے جلووں نے پھول برسائے
ناز کی گل فروشیاں نہ گئیں
ہے ستم خوردۂ جنوں اکبر
اُس کی خانہ بدوشیاں نہ گئیں

شمع　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　آگرہ

کس کا یہ جلوۂ انوار نظر آتا ہے
نور ہی نورِ دلِ تار نظر آتا ہے
ظلمتِ کفر ہے زاہد ترا نورِ ایماں
تیری تسبیح میں زنّار نظر آتا ہے
تجھ کو اللہ نے بخشا ہے یہ کیا حسنِ کلام

تیرے انکار میں اقرار نظر آتا ہے
کیا ستم تو نے کیا لطفِ تبسم جاناں
جو کوئی ہے وہ ہوسکار نظر آتا ہے
شبِ فرقت میں تری یاد نہیں مٹتی ہے
رنجِ فرقت بھی طرب کار نظر آتا ہے
آرزو دل کی بر آئی تری شوریدہ سری
پاس ہی دامنِ کہسار نظر آتا ہے
اہلِ عالم جسے کرتے ہیں خوشی سے منسوب
مجھ کو اس عیش میں آزار نظر آتا ہے
زیست کا میری نہیں کوئی ساماں اکبر
ہائے مرنا بھی تو دشوار نظر آتا ہے

پیام ہستی — امرتسر

عشق نے جب سے کر دیا برباد
خانۂ روح ہو گیا آباد

عبرت انگیز ہے مری ہستی
سبق آموز ہے مری اُفتاد
ہوں ازل سے غمِ وفا میں اسیر
غمِ ہر دو جہان سے آزاد
چھُوٹ کے جائیں بھی تو کہاں جائیں
ہم اسیرانِ الفتِ صیّاد
ہو رہے ہیں وہ مہرباں مجھ پر
دے رہے ہیں قصورِ عشق کی داد
خوب دیکھیں فنا کی تصویریں
خوب دیکھا یہ عالمِ ایجاد
آہ وہ شیوہ ہائے دِلداری!
آہ یہ ظلم!! آہ یہ بیداد!!!
بھُولتا ہی نہیں ہے وہ مجھ کو
بھُول کر بھی کیا نہ جس نے یاد
میرے مٹنے سے عشق مٹتا ہے

اے جفاکیش اے ستم ایجاد
فیضِ اُستاد ہے یہ اے اکبر
لوگ کہتے ہیں اب ہمیں اُستاد

ہُمایوں لاہور

وہ تو ہے میری جان کا دشمن
کرسکیگا اب اور کیا دشمن
اب ستم سے بھی ہے دریغ تجھے!
اے جفادوست!! اے وفا دشمن!!!
ایک وہ، اور تمام دنیا دوست
ایک مَیں، اور ہزار ہا دشمن
خود مرا شوق ہے مرا قاتل
آپ ہوں اپنی جان کا دشمن
پھر ہوا دل فدا حسینوں پر
پھر زمانہ ہوا مرا دشمن

وہ نگاہ! تیر وہ غلط انداز!!
کہ ہر اک بات پا گیا دشمن
عشق اور عشق میں ہوسکاری
شرم اے اکبرِ صفا دشمن
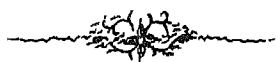
آفتاب کانپور

عالم فریفتہ ہے اسی عشوہ ساز کا
دیکھو تو رنگ جلوۂ حسنِ مجاز کا
احساں ہے ترے شیوۂ غفلت طراز کا
اب خوف ہی نہیں مجھے افشائے راز کا
اب وہ نگاہِ شوق سے رہتے ہیں بدگماں
یہ ہے مآل عشقِ دلِ پاکباز کا
نغماتِ سوزِ غم سے ہے لبریز اے ندیم
اچھا نہیں ہے چھیڑنا اس دل کے ساز کا
اتنا تری نگاہِ محبت پہ ناز ہے

ہے عرش پر دماغ دلِ پاکباز کا
مجھ پر نظر عتاب کی ہو یا نگاہِ لطف
مجھ کو جنوں میں ہوش نہیں امتیاز کا
اک برق مضطرب ہے دلِ بیقرار میں
اُٹھتا ہے پھر سحاب جو مژگانِ ناز کا
اب تنگ اضطراب میں باقی نہیں ہے ضبط
اب مجھ میں حوصلہ نہیں اخفائے راز کا
عشقِ جنوں نواز کا احسان دیکھئے
اب ہوش ہی نہیں ہے نشیب و فراز کا
مَیں اور ایسے شعر کہوں وجہ آفریں
سب فیض ہے یہ عابدِ اکبر نواز کا
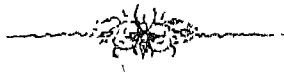
غم سے لبریز بھی ہے عیش سے معمور بھی ہے
عشق کہتے ہیں جسے نار بھی ہے نور بھی ہے

چشمِ نظارہ طلب چاہیے مثلِ موسیٰ
برقِ ایمن بھی ہے اور جلوہ گہِ طور بھی ہے

حضرتِ دل نہ یونہی قصۂ غم کہہ دینا
دیکھنا پہلے کہ سننا انہیں منظور بھی ہے؟

اجمال — سانگلہ ہل

مظہرِ شانِ کبریا ہیں ہم
یعنی خلقت کا مدعا ہیں ہم

ہم سے قائم جنونِ الفت ہے
یعنی سرگشتۂ وفا ہیں ہم

حسنِ خود بیں کی اک ادا ہے یہ
رازِ ہستی سے آشنا ہیں ہم

ایک عالم کے دل میں بستے ہیں

یعنی اک دلنشیں ادا ہیں ہم
عشق سے ہے فروغ رنگِ جہاں
ابتدا ہم ہیں انتہا ہیں ہم

النّور — دکن

شیدا ہوا ہے آپ کے حسنِ غیور کا
کیا پوچھتے ہو رنگ دلِ ناصبور کا
مجھ کو کیا ہے واقفِ لذّاتِ انکسار
ممنون ہوں میں آپ کے کبر و غرور کا
مجھ کو نصیب ہی نہیں صہبائے خونِ دل
اتنا کہاں سرور شرابِ طہور کا
حسرت[1] صفت ہوں مجرم مہر و وفا ضرور
"خود مجھکو اعتراف ہے اپنے قصور کا"
ہمّت کی سربلندی و پستی کا ہے فریب
ویسے تو فرق کچھ نہیں نزدیک و دور کا

[1] مولانا حسرت موہانی

"عاشق ہی وہ نہیں جو کرے شکوۂ فراق"
اب تک مجھے ہے یاد وہ کہنا حضور کا

اب دیجئے حضور نہ مجھکو فریبِ عشق
اب دل کو اعتبار نہیں ہے حضور کا

اکبر نگاہِ یار کی مدہوشیاں نہ پوچھ
اک میکدہ کھُلا ہے شرابِ طہور کا

سر زیرِ بارِ منّتِ اہلِ جہاں نہیں
صد شکر ہے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہیں

وُہ نالہائے گرم وہ آہ وفغاں نہیں
اپنے پہ مہرباں ہوں جو وہ مہرباں نہیں
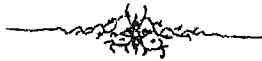
دلِ حسرت نشاں نہیں رکھتے
یعنی بیتابیاں نہیں رکھتے

نہ غمِ ہجر ہے نہ شوقِ وصال
فکرِ سود و زیاں نہیں رکھتے

اپنے دل سے ہیں رات دن باتیں
ہم کوئی رازداں نہیں رکھتے

بیخودِ حسنِ لازوال ہے دل
یعنی عشقِ بتاں نہیں رکھتے

ہم بجز یادِ حسنِ عشق نواز
فکرِ ہر دو جہاں نہیں رکھتے

وہی آزاد ہیں حقیقت میں
جو غمِ این و آں نہیں رکھتے

روشِ عشق کے ہیں جو پابند
شمع ساں وہ زباں نہیں رکھتے

شکوۂ مسندِ جفا ہے تو اکبر

اہلِ دل تو زباں نہیں رکھتے

کھلتا نہیں وہ کس لئے صبر آزما ہے آج
کیسا یہ ہم سے وعدۂ مہر و وفا ہے آج
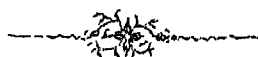
شکرِ خدا کہ رُوٹھ کے وہ خود ہی من گئیں
کہتے تھے ہم کہ ان کو منایا نہ جائیگا
بیشک ہوس نہیں ہمیں طولِ حیات کی
بارِ حیات ہم سے اٹھایا نہ جائیگا
دل حسرتِ جمال میں برباد ہو چکا
کب تک ہمیں جمال دکھایا نہ جائیگا
دل سے ہمارے لذتِ مستی نہ جائیگی
سر سے ترا خیال بھلایا نہ جائیگا

ساقی تری نگاہ بہت کیف ریز ہے
جام شراب منہ سے لگایا نہ جائیگا
عشق ایک بات ہے جو کسی سے نہ کہہ سکوں
عشق ایک راز ہے جو چھپایا نہ جائیگا

انور — دکن
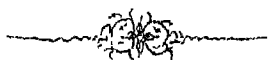
اک خیالِ خام میں میں نے گزاری زندگی
یونہی کھودی مفت میں ساری کی ساری زندگی
کبر کو جو اہلِ دل ہیں موت دیتے ہیں قرار
انکساری زندگی ہے خاکساری زندگی
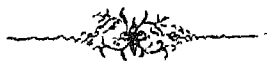
خوئے نیاز پر بھی رہیں جفا رہے
ہم شہرِ عاشقی میں رہے بھی تو کیا رہے
اُس بد نصیب کو نہ دو الزامِ عاشقی
حسرت بھری نگاہ سے جو دیکھتا رہے

جامِ جہاں نما — لائلپور
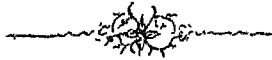
آپ کی خوش جمالیاں نہ گئیں
نہ گئیں بے مثالیاں نہ گئیں
اُن کی بے التفاتیاں نہ گھٹیں
میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں
حسن کی جور کوشیاں نہ مٹیں
عشق کی بے ملالیاں نہ گئیں
دل کا ذوقِ نظر رہا قائم
شوق کی لا زوالیاں نہ گئیں
جور بھی اُن کے لطف ٹھہرائے

دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں
رہ کے اہلِ کمال میں بھی مری
نہ گئیں بے کمالیاں نہ گئیں
حسن کی بے نیازیاں نہ مٹیں
عشق کی بے سواریاں نہ گئیں
وہ رہے برسرِ ستم اکبر
عشق کی پائمالیاں نہ گئیں
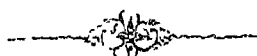
النور دکن — الکمال لاہور

جستجوئے یار کا ساماں مہیا کر دیا
عشق نے دل میں نیازِ شوق پیدا کر دیا
اُن کے اندازِ کرم نے آہ یہ کیا کر دیا
پھر دلِ مایوس کو محوِ تمنا کر دیا
الفراق اے قیدِ زنداں الوصال آوارگی!!
خوبیٔ قسمت نے پھر رو بصحرا کر دیا

ہیں سراپا کبر تھا نا آشنائے بندگی
ایک تیرے لطفِ بے پایاں نے بندا کر دیا

اضطرابِ دیدِ اہلِ شوق کا ہے جلوہ خیز
وادیِ الفت کے ہر ذرّہ کو سینا کر دیا

امتیازِ نیک و بد مطلق نہیں اکبر مجھے
ہائے اس عشقِ خرد دشمن نے یہ کیا کر دیا

پھر دئے جامہائے گل ساقیٔ نو بہار نے
توبہ پہ غلبہ پالیا جذبۂ بادہ خوار نے

پھر وہی شوقِ جستجو مجھکو لگا اُبھارنے
وحشت کا ذرّہ ذرّہ پھر مجھکو لگا پکارنے

خوب سکھائیں شوخیاں خوب سکھائیں تیزیاں
حسنِ جفا طراز کو عشقِ وفا شعار نے

پیکِ اجل کو دیکھ کر ہو گیا عازمِ سفر

لینے دیا نہ زادِ راہ مجھکو پیامِ یار نے
میری ہی نشست اونچی ہیں حسن کا تنبیے راز ہے
کیسی پتے کی بات کی گل سے کہی نتھی خار نے

وُہ دل ہی کیا ہے حسن جہاں جلوہ گر نہو
سر ہے وبالِ دوش جو سودائے سر نہو
مانا ہے تو سکون وہ جان و دل وجگر
غمازِ رازِ دل مگر اے چشم تر نہو
لو وُہ تو میری قیدِ تصوّر میں آ گئیں
یارب یہ میرے جذبۂ دل کا اثر نہو
ہر ذرّہ کائنات کا تصویرِ حسن ہے
وہ کونسی جگہ ہے جو خلدِ نظر نہو
جینا اگر نہ آئے تجھے تو خوشی سے مر
مرہونِ منّتِ دمِ عیسےٰ مگر نہو

سنتے ہیں زور پر ہے کسی کا جنون شوق
دیکھو تو چل کے اکبرِ شوریدہ سر نہو
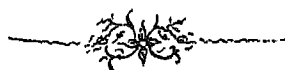
غرقِ سرور و سوز میں رہتا ہوں رات دن
کیفِ نگاہِ یار کی تاثیر دیکھنا
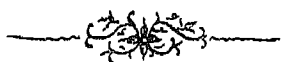
ہے لطفِ یار باعثِ صبر و سکوں درست
پھر کیوں نہیں قرار دلِ بیقرار کو
اللہ رے میرا ذوقِ خلش اپنے ہاتھ سے
پیوندِ روح کر لیا پیکانِ یار کو

انور
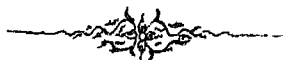
بخت اپنا بھی کبھی کاشکے یاور ہوتا
نالۂ جانِ حزیں بام اثر پر ہوتا
چاک کرنے سے گریباں کے مرے کیا حاصل
مجھ میں اے دستِ جنوں دامنِ دلبر ہوتا
اب جو ملتا نہیں ظالم کو جفا کش کوئی
ہاتھ مل کر وہ یہ کہتا ہے کہ اکبر ہوتا

انور — دکن

بہت مشکل بہت مشکل انہیں دل سے بھلا دینا
کوئی آساں نہیں ہے اپنی ہستی کو مٹا دینا
حواس و ہوش گم ہونے کی ہے تمہید موسےٰ کو
وہ اس کا لب ہلا دینا وہ اس کا مسکرا دینا
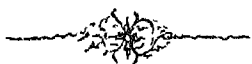
عشقِ نیرنگ ساز کا اعجاز
غزنوی ہے غلامِ حُسنِ ایاز
دیکھ کر اُن کا حسنِ جلوہ طراز
دل میں برپا ہے جوشِ سوز و گداز
کر دیا اُن کو آشنائے عشق
اُن سے کرتا رہا بیانِ راز
اُن کا بس بے حجاب ہونا تھا
ہو گئی طے جنوں کی راہِ دراز
بے زبانی ہے میری گویائی
خامشی ہے مری نوا پرداز
ہم نے دیکھا وہ جلوۂ یکتا
ہم نے دیکھا فروغِ حسنِ مجاز
کر دیا اُن کے آتشیں رُخ نے
روح کو آشنائے سوز و گداز

آہ اُن کی نگاہِ جادُو ہیں
میری بربادی کا نہاں ہے راز
ناز ہے شاعری کو عابد پر
نہیں عابد کو شاعری پر ناز
ناز پیہم سے اُن کے اے اکبر
ہو گیا ہوں میں پختہ کارِ نیاز

گلستانِ تصوّر کا تماشا دیکھتی جاؤ
ہمارے دل میں آؤ دل کی دنیا دیکھتی جاؤ

مانوس ہو گئے ہیں بہت بیکسی سے ہم
باز آئے شوقِ یار کی وابستگی سے ہم
یوں موسمِ بہار میں چھوٹیں کسی سے ہم

کیونکر نہ شکوہ سنج ہوں اس زندگی سے ہم
ہوگا مآلِ کار پھر کیا حال اے خدا
مرنے لگے فراق میں اُن کے ابھی سے ہم
ہم کو ہوئی ہے راحتِ دیوانگی نصیب
بیزار ہیں اذیّتِ فرزانگی سے ہم

یہ مایۂ حیات یہ روح و رواں نہ چھوڑ
اکبر خدا کے واسطے عشقِ بتاں نہ چھوڑ

اُف ترے حسنِ بے حجاب کے رنگ
متحیّر ہے عقل دل ہے دنگ
دیدۂ اشکبار کیا کہئے
میرا دامن ہے صفحۂ ارژنگ

بلائیں لے رہے ہیں آفتاب و ماہتاب اُس کی
شباب سحر کاری ہے یہ اندازِ شباب اُس کا

پیام ہشتی — امرتسر

کاش پھر عشقِ یار پیدا ہو
دِل میں کوئی شرار پیدا ہو
ظلم بھی وہ کرے تو لطف ملے
قہر ڈھائے تو پیار پیدا ہو
بات سے اُس کی شوخیاں برسیں
شوخیوں میں وقار پیدا ہو
ٹیس الفت کی دم نہ لینے دے
دردِ بے اختیار پیدا ہو
اُس کو دیکھے بغیر کل نہ پڑے
حسرتِ بے شمار پیدا ہو
بیکسی سے مجھے نجات ملے

صدمۂ انتظار پیدا ہو
دل پہ چھا جائے غم کی رنگینی
شوقِ مستانہ وار پیدا ہو
دل رہے عطرِ عشق سے لبریز
سانس تک مشکبار پیدا ہو
آہ وہ چشمہائے مست و سیاہ
جن سے رنگِ بہار پیدا ہو
کون رازِ جہاں پہ غور کرے
ہاں کوئی میگسار پیدا ہو
نہیں چھپتا غمِ وفا اکبرؔ
کوئی تو رازدار پیدا ہو
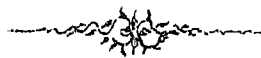
رنگ یہ تیری نو جوانی کا
اک تماشا ہے دِلستانی کا

ہو کے رسوا رہا نہ کچھ بھی خیال
راز داری کا راز دانی کا

ہو گئے ایک مہرباں سے جدا
مٹ گیا لطف زندگانی کا

عشق میں طے نہ ہو سکا قصّہ
اَرِنی اور لن ترانی کا

رشکِ دشمن سے کچھ نہیں حاصل
ہاں تقاضا ہے بدگمانی کا

کچھ عجب چیز تھی وصال کی رات
لطف اک بت کی میہمانی کا

ہے مرا امتحان مدِّ نظر
اک بہانہ ہے سرگرانی کا

ہے غمِ دوست کیا وہ شئے اکبر
جس پہ دھوکا ہے شادمانی کا

النور — دکن

شدّتِ درد سے اُٹھ اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہوں
ناتوانی میں ہے یہ خوب سہارا مجھکو
یہ نگاہِ ہوس انگیز نہ ڈالو، جاؤ
رہنے دو، رہنے دو محرومِ تمنا مجھکو
شادکام اُس سے محبّت بھی کہیں آئی ہے
لئے جاتا ہے کہاں اے دلِ شیدا مجھکو
ذرّہ ذرّہ میں دکھاتا ہے کسی کا جلوہ
عالمِ بیخودیٔ ذوقِ تماشا مجھکو
وہ ہر اک شئے کے ہیں مالک وہ جو چاہیں سو کریں
میں تہیدست ہوں زیبا نہیں دعویٰ مجھکو
تاکہ پہنچے نہ کہیں روحِ محبّت کو گزند

کرنے دیتا نہیں دل یار کا شکوہ مجھکو
اس مرض کا تو مداوا نہیں ممکن اکبر
خود خبر مجھکو نہیں ہے کہ ہوا کیا مجھکو

ہزار داستاں لاہور

ابھی سے ہے مصیبت پہ مصیبت دیکھئے کیا ہو
یہ ہے آغاز تو انجامِ الفت دیکھئے کیا ہو
خدا جانے نظر پھیرے نہ پھیرے روئے رنگیں پہ
بہارِ حسن کا رنگِ لطافت دیکھئے کیا ہو
وصالِ یار میں دل کو سکوں حاصل نہیں ہوتا
یہ عالم ہے تو رنگِ شامِ فرقت دیکھئے کیا ہو

رہا تو بیقرار و مضطرب اے دل شبِ وعدہ
ہوئے وہ رونق افزا خانۂ آباد دشمن میں

پیا پے اشک خونیں چشم پرنم سے بہاتے ہیں
تماشا دیکھ ہم گلکاریاں کرتے ہیں دامن میں
ہوا ہوں جب سے میں محو نیاز عاشقی ہمدم
بڑھیں رنگینیاں کیا کیا کسی کے روئے روشن میں
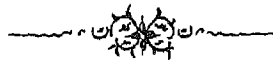
ہزار داستان — لاہور

ہیں جفائیں پر جفائیں پھر بھی یہ مسرور ہے
کس قدر خوئے وفا سے دل مرا مجبور ہے
کس کے جلووں سے ہوئی روشن مری بزم خیال
کس کے جلووں سے مرا دل جلوہ زار طور ہے
آہ کیا شئے تھی محبت کی شراب جانفزا
آج تک جس سے ہماری روح دل مسرور ہے
شوق ہے سرگشتۂ سیر فضائے لامکاں
پستیٔ ہمت یہ کہتی ہے کہ "منزل دور ہے"
کچھ ضرورت تھی نہ تاویل ستم کی آپ کو

وہ مجھے منظور ہے جو آپ کو منظور ہے

کشمکش ضبط و حیا کی مانعِ دیدار ہے

مَیں اِدھر مجبور ہوں اور وہ اُدھر مجبور ہے

اُن کی بزمِ ناز ہے گویا طلسمِ بیخودی

دیکھئے جس چیز کو مدہوش ہے مسحُور ہے

ہائے وہ دل جو کہ تھا شادابِ انوارِ وصال

ہائے وہ دل ظلمتِ فرقت میں جو رنجُور ہے

ہاں یہی دل ہے کہ تھا عشرت فروزِ عاشقی

ہاں یہی دل ہے کہ سنگِ بیکسی سے چُور ہے

ذرّہ ذرّہ ہے فروغِ حسن سے رنگیں ادا

ذرّے ذرّے پہ جہاں کے اک حجابِ نور ہے

شوق کی دنیا ہے اکبر میری لبریزِ جمال

شیشۂ دل میں گدازِ عاشقی مستُور ہے

کوئی تدبیرِ ملاقات جہاں بھر میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں ترا وصل مقدر میں نہیں

بے سبب آج پریشانیٔ خاطر کیوں ہے
اور کیا بات ہے سودا جو کوئی سر میں نہیں

یہ شبِ ہجر کی حالت ہے الٰہی تو یہ
روشنی آج کہیں دیدۂ اختر میں نہیں

سببِ ترکِ محبت نہیں کہتے بنتا
کوئی اندازِ ستم میرے ستمگر میں نہیں

پوچھ گلکاریٔ داماں کی حقیقت مجھ سے
یہ ہیں وہ نقش جو بت خانۂ آذر میں نہیں

تیریٔ اتری ہوئی پوشاک میں پائی ہم نے
وہ لطافت جو کسی حور کے پیکر میں نہیں

لوگ کیوں چاند کو بدنام کیا کرتے ہیں
اس میں کیا ہے جو ترے چہرۂ انور میں نہیں

کیا دلآویز ہے ساقی کے تغافل کی بہار
لطف جو حسرتِ ساغر میں ہے ساغر میں نہیں
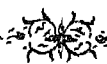
پیام ہستی امرتسر
شادماں جے پور

نسیمِ دردِ محبت کا رازدار ہوں میں
مثالِ سبزۂ خوابیدہ خاکسار ہوں میں

صباحِ عید کی دنیا میں آمد آمد ہے
یہ ہے عجیب تماشا کہ سوگوار ہوں میں

نہ پستیوں پہ مری جا بلندیوں کو بھی دیکھ
کہ آج ملکِ معانی کا تاجدار ہوں میں

حواس کی یہ پریشانیاں معاذ اللہ
کسی کی چشمِ سیاہ کا شراب خوار ہوں میں

ہر ایک پھول سے آتی ہے زلفِ یار کی بو
ہوا پکار رہی ہے کہ مشکبار ہوں میں

گرا یا لغزشِ پا نے مجھے کہاں جا کر

کہ آستانِ محبت سے شرمسار ہوں میں

لٹتے ہیں اُن سے کبھی دلنوازیاں نہ ہوئیں

غرورِ حسن یہ بولا کہ ہوشیار ہوں میں

کسی کا پرتوِ رخسار کارفرما ہے

ہلالِ چمک کے یہ کہتا ہے داغدار ہوں میں

ہزار داستاں   لاہور

جہاں سے بےخبر اپنے جہانِ دل میں رہتے ہیں

کبھی خلوت میں رہتے ہیں کبھی محفل میں رہتے ہیں

وہ لیلائے محبت ہیں اسی محمل میں رہتے ہیں

ہماری آرزو بن کر ہمارے دل میں رہتے ہیں

جدا ہیں مجھ سے وہ لیکن نہیں پھر بھی جدا مجھ سے

مرادل اُن میں رہتا ہے وہ میرے دل میں رہتے ہیں

نظر آتے ہیں وہ پھر بھی نظر آتے نہیں مجھ کو

عیاں ہو کر نہاں وہ کونسی منزل میں رہتے ہیں

تصوّر کی خیال آرائیاں دل سے نہیں جاتیں
نکلکر تیری محفل سے تیری محفل میں رہتے ہیں

اب خوشی کی خوشی نہ غم کا غم
اب مرے دل کا اور عالم ہے
یہ محلِ سخن نہیں اے شوق
دیکھ اُن کا مزاج برہم ہے
آہ وہ حسرتیں جو ہیں ناکام
آہ وہ دل جو کشتۂ غم ہے
منتظر موت کا ہوں روز و شب
زندگی انتظارِ پیہم ہے

وقفِ حسرت ہے زندگی میری
دیدنی ہے یہ بیکسی میری

کاہش افزا ہے یاس کا عالم
روح فرسا ہے بیدلی میری

ہے جفا پر تری گمانِ وفا
ہائے ظالم یہ سادگی میری

عرضِ لطف و کرم تو ایک طرف
نہ سنیں گی وہ بات بھی میری

تھی تری آرزو ہی غایتِ عشق
اور کچھ آرزو نہ تھی میری

اب وہ نگاہِ یار کی دلداریاں کہاں
اب ظلم آشکار ہیں لطفِ نہاں کہاں
اب رنگِ التفات کہاں چشمِ شوخ میں

اب شوق کامگار کی گستاخیاں کہاں

اب میں ہوں اور کاہشِ ناکامیٔ وفا

اب وہ فریبِ شوق کی سرمستیاں کہاں

پیامِ ہستی　　　　　　　　　　امرتسر

دیکھ کر اس کا حسنِ فتنہ خیز

آتشِ شوق ہو گئی پھر تیز

تلخ تھی گو شرابِ الفتِ دوست

نہ کیا ہم نے کچھ مگر پرہیز

آگئیں وہ مرے تصور میں

ہو گئی سانس تک سرور انگیز

آہ وہ ان کی مے فروش آنکھیں

آہ وہ جامہائے کیف انگیز

آہ وہ لطفِ گاہ گاہِ وصال

عشق آموز آرزو انگیز

آہ وہ خوئے دلبری ان کی
آہ وہ ظلمہائے لطف آمیز
رحم کر! رحم!! اے وفا دشمن!!!
لطف کر! لطف!! اے ستم انگیز!!!
یاد سے ان کی پھر ہوئی اکبرؔ
بادپائے خیال کو مہمیز

آئینہ دارِ حسن منوّر کہیں جسے
دل میرا ہے کتاب مصوّر کہیں جسے
ہنگامہ آفریں ہے بہت اضطرابِ شوق
دنیائے دل ہے عرصۂ محشر کہیں جسے
مجھ کو اسی نے عشق میں برباد کر دیا
وہ ایک چیز سارے مقدّر کہیں جسے
بخشی اسی نے ہیں مجھے عرفاں کی لذتیں

سب عرفِ عام میں بت کافر کہیں جسے
رگ رگ میں ایک جذبۂ الفت ہے موجزن
آئینۂ خیال کا جوہر کہیں جسے
دل داغہائے شوق سے اک لالہ زار ہے
خوشبوئے عاشقی سے معطر کہیں جسے
ہے آستانِ حسن رہینِ سجودِ عشق
رتبے میں آسماں کے برابر کہیں جسے
لبریز بیخودی ہے تیری مے فروش آنکھ
رنگینیٔ نگاہ کا ساغر کہیں جسے
فطرت ہے اُس کی زہدِ ریاکار سے نفور
رندِ صفا پرست ہے اکبر کہیں جسے

پیامِ بہشتی — امرتسر

وفاکوشیوں کی مری داد فرما
مرے قصۂ عشق پر صاد فرما

مری خستہ حالی پہ بھی کچھ نظر کر
ستمہائے بیجا کو بھی یاد فرما
مجھے شرمسارِ وفا کر نہ اِتنا
نہ اِتنی بھی تو مجھ پہ بیداد فرما
(ق) ارے شاد کامِ تمنّائے عشرت
کسی دل شکستہ کو بھی یاد فرما
اگر ہو سکے کر مری دلنوازی
(ق) اگر ہو سکے مجھکو دلشاد فرما
رہینِ مصیبت ہے دنیا خدایا
مجھے قیدِ ہستی سے آزاد فرما
بُرا حال ہے نامرادی سے اس کا
خداوندا اکبر کی امداد فرما

قندِ پارسی

اے توتیائے دیدۂ من خاکِ راہِ تو
کارِ ہزار تیغ کند یک نگاہِ تو
چشمک زند بہ انجمِ تابانِ آسماں
یاوش بخیر گوہرِ طرفِ کلاہِ تو
رندی کن و شراب خور و روئے یار بوس
آمرزشِ کریم بہ بخشد گناہِ تو

زغوغائے رقیباں قدرِ حسنِ یار بشناسم
ہماں بہتر کہ سازد عاشقاں را پاسبانِ خود
شبِ وصل است و یار است و حدیثِ عشق بس دلکش
دگر از سر گرفتم پارہ ہائے داستانِ خود
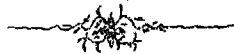
من آں نیم کہ ز لطف نظر کنارہ کنم
ہزار بار گریبان زہد پارہ کنم
فدائے آں بت شوخے کہ وقت راحت وصل
زناز مست بخوابت کہ من نظارہ کنم
حوادث ستم روزگار و دل غمگین
بہ اگر نگریزم بگو چہ چارہ کنم
منم کہ لذت نوش وصال حاصل بود
ببیں کہ تلخی ایام غم گوارہ کنم

النور — دکن

مرے جذبات خفتہ فتنہ ساماں ہوتے جاتے ہیں
کہ وہ اپنی جفاؤں سے پشیماں ہوتے جاتے ہیں
ادھر اک موج مدہوشی فضائے دل میں رقصاں ہے
ادھر وہ کیف ناز گیسو پریشاں ہوتے جاتے ہیں
انہیں لکھتے ہیں جب افسانۂ بیتابیٔ فرقت

ہمارے اشک خونیں زیب عنواں ہوتے جاتے ہیں
قیامت ہے انہیں مجھ سے گلا ہے کم نگاہی کا
غضب ہے میرے ارماں آج ارماں ہوتے جاتے ہیں
ہمیں بھی یاد تھے کل تک فسانے عہدِ الفت کے
مگر وہ آج تو خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں
کوئی یہ دیر والوں سے تو پوچھے ماجرا کیا ہے
سنا ہے حضرتِ اکبر مسلماں ہوتے جاتے ہیں

پیامِ ہستی — امرتسر

خوشبو تھی ان کی زلفِ شکن در شکن تمام
لبریزِ عطر ہو کے رہی انجمن تمام
کیا کیف زا تھا جلوۂ سرشارِ حسنِ دوست
ہم بیخودی میں بھول گئے ما و من تمام
دزدیدہ اک نظر میں سکونِ دلِ حزیں
برباد کر گئی نگہِ سحر فن تمام

پھر یاد آگئی کسی مستِ شباب کی
غزن سرور ہوگئے رنج و محن تمام

کس کی بہارِ حسن ہے میری نگاہ میں
حیرت سے دیکھتی ہے مجھے انجمن تمام

غمہائے روزگار نے اکبرؔ غضب کیا
یعنی کہ کر دیا مرا ذوقِ سخن تمام
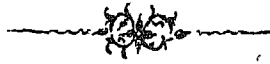
حصّۂ اوّل

اِس حصہ میں ان غزلیات کا انتخاب ہے۔ جو مصنّف نے
انٹرنس پاس کرنے سے پہلے کہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شورِ بے ہنگام ہوں میں یا خیالِ خام ہوں
در حقیقت ہیچ ہوں یعنی کہ ہیچ انجام ہوں

دیکھتا بھی ہوں اُسے تو محفلِ اغیار میں
کامیابی میں بھی یعنی ہر طرح ناکام ہوں

المدد اے گردشِ گردونِ گرداں المدد
پیس دے اِس دل کو جس سے موردِ آلام ہوں

جام دے ایسا مٹا دے جو خیالِ این و آں
کب سے صرفِ التجا اے ساقیِ گلفام ہوں

کون کہتا ہے کہ تیری چشم کا سرخوش نہیں
کون کہتا ہے کہ میں حسرت پرست جام ہوں

ایک مدّت سے ہے دل میں خواہشِ وصلِ حبیب
ایک مدّت سے میں وقفِ حسرتِ ناکام ہوں

شوق یہ کہتا ہے ہر دم اُس کو دیکھا کیجئے
آرزو کہتی ہے یہ میں موت کا پیغام ہوں

دبرسے اکبر ہوں میں ناواقفِ صبحِ وصال
حسرت و اندوہ و یاس و بیکسی کی شام ہوں

کشاف	امرتسر

شرابِ بیخودی سے رات دن سرشار رہتے ہیں
غمِ دنیا سے مستغنی ترے میخوار رہتے ہیں
مرے مذہب میں بھی سر کو وبالِ دوش کہتے ہیں
اگر پیہم وہ ہاتھوں میں لئے تلوار رہتے ہیں
خُمِ توحید کے میکش عجب حالت میں رہتے ہیں
سدا سرشار رہتے ہیں سدا ہشیار رہتے ہیں
جنونِ عشق اپنے دل کو دم لینے نہیں دیتا
ہمیشہ عشق سے ہم برسرِ پیکار رہتے ہیں
عجب ہیں ابتدائے عشق کی نیرنگیاں اکبر
میں اُن کو چاہتا ہوں مجھ سے وہ بیزار رہتے ہیں

اہلِ عدم کے خواب پر بیداریاں نثار
اہلِ جہاں کا جاگنا مانند خواب ہے

ہم کو کتابِ دہر سے کچھ یاد ہے اگر
اے ہمنشیں وہ مہر و محبت کا باب ہے

جاتا رہا وہ کیفِ زمان ہجومِ لطف
اب مَیں ہوں اور آپ کا رنگِ عتاب ہے

پھولوں میں تازگی ہے نہ مہ ماہ میں ہے نور
کہتا ہے کون حسن کا تیرے جواب ہے

تیری نگاہ کے ساتھ زمانہ بدل گیا
اک انقلاب باعثِ صد انقلاب ہے

دنیائے ننگ و نام ہو یا ہو جہانِ عشق
اہلِ ہوس کی ہر جگہ مٹی خراب ہے

نہیں مجال کہ نظّارۂ جمال کریں
گرے حواس پہ بجلی اگر خیال کریں
اُنہی کے فیضِ نظر سے کھلا ہے یہ گلزار
وہ اس قدر نہ مرے دل کی دیکھ بھال کریں
جنونِ شوق میں ایسا بھی ہو ہی جاتا ہے
دراز دستی کا میری نہ وہ ملال کریں
مجھے بھی خواہشِ دیدار کھینچ لائی ہے
حضور میری طرف کی ذرا خیال کریں
وفا و مہر کی ہوں یادگار دنیا میں
وہ میرے عشق کو اکبرؔ نہ پائمال کریں

یا اپنے دل میں درد نہ پیدا کرے کوئی
یا پھر کرے تو پوچھ نہ مداوا کرے کوئی
دنیا سے راہ و رسمِ محبت ہی اُٹھ گئی

اب کیا بھلا کسی کی تمنا کرے کوئی

مانا کہ عیسیٰ دم ہے پئے کشتۂ ادا
وہ آنکھ پھیر لے تو بھلا کیا کرے کوئی

بگڑی رہیں وہ آئینۂ دل میں بیٹھ کر
اب خاک اعتبار کسی کا کرے کوئی

آئے نہ یوں مشاہدۂ حق میں ان کی یاد
بیٹھے بٹھائے یوں نہ ستایا کرے کوئی

انکارِ تابِ حسن پہ ہم چپ سے رہ گئے
کیا تاب کیا مجال کہ پوچھا کرے کوئی
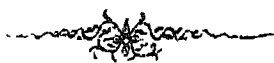
جب ہمیں اپنی جبیں کا ہی نشاں ملتا نہیں
ٹھوکریں کھاتے پھریں کیوں آستانے کے لئے

ماہرو نازاں نہ ہو افزائشِ خوبی پہ تو
آسماں گویا بڑھاتا ہے گھٹانے کے لئے

دل میں جم کر رہ گیا نقشِ محبت اور بھی
کوششیں کرتا تھا اُس کو بھول جانے کے لئے

مجھکو بھٹکائے لئے پھرتی ہے عقلِ نارسا
کاش آجائے جنوں رستہ دکھانے کے لئے

نہ فدائی ہوں میں صورت کا نہ سیرت کا غلام
پھر خدا جانے مجھے اُس سے الفت کیسی

برہمن رکھتے ہیں مندر میں ترے کیا پتھر
دیکھ تو دل میں مرے بستی ہے مورت کیسی

دل سراپا ہے مرا گنجِ غنا اے اکبر
میں سمجھتا ہی نہیں ہوتی ہے عسرت کیسی

نہ کہو عشق کا کہا نہ کہو
جس طرح ہو انہیں خدا نہ کہو
میری الفت پہ حرف آتا ہے
نہ کہو اُس کو بیوفا نہ کہو
لذتِ ضبط پھر کہاں اکبرؔ
نہ کہو دل کا مدّعا نہ کہو

داغِ دل میرے ستاروں سے نہیں کم ہیں فلک
شکر کر شکر کہ ساروں کو چھپا رکھا ہے
چھوڑ کم بخت حسینوں کی محبّت اکبرؔ
رنج و کلفت کے سوا عشق میں کیا رکھا ہے

ترا عشق پھر مضطرب کر رہا ہے
تری یاد پھر دل کو تڑپا رہی ہے
زہے تیزیٔ آتش عشق اکبر
کہ پتھر دلوں کو بھی پگھلا رہی ہے

کچھ تو ہم ہی سخت جاں تھے کچھ تھی وہ شمشیر کند
لطف پیدا کر دیا تھا قتل میں تاخیر نے
اک بھی اکبر آرزوئے دل نہ بر آئی مری
کام کی گردش نہ کی کوئی بھی چرخ پیر نے
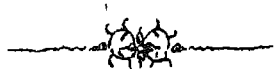
محسن اُسے کہتے ہیں مرے دین میں اکبر
احسان جسے کر کے جتانا نہیں آتا

کیجئے درد کا درماں تو سوا ہوتا ہے
شکوہ کس بات کا قسمت کا لکھا ہوتا ہے

پھر وہی جوشِ بیقراری ہے
آمدِ فصلِ نو بہاری ہے

رہوں کیوں نہ میں مست و مدہوش دائم
پیا عشق کا ساغرِ مشکبو ہے
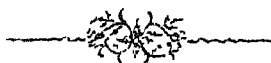
نگاہِ کرم نے تری کر دیا ہے
مری روح کو آشنائے تمنا
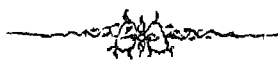
اُس پہ ہزار جان سے اسلام ہے نثار
جس کو کہ تیرے عشق نے کافر بنا دیا
اکبرؔ کہاں تھا شعر و سخن کا مجھے شعور
اُستادِ عشق نے مجھے شاعر بنا دیا

النّور — دکن

دربدر ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں تجھکو لیکن
لوگ کہتے ہیں کہ کم بخت یہ ہرجائی ہے

النّور — دکن

دلِ مرحوم رہ رہ کر مجھے اب یاد آتا ہے
وہ اُس کا دیکھکر ہر اچھّی صورت کو مچل جانا

النّور — دکن

یہ تعجیل اچھّی نہیں حضرتِ دل
محبّت کا ہوگا اثر ہوتے ہوتے

النّور — دکن

نقش بر آب ہے اجی کیا ہے
اہلِ عالم کی دوستی کیا ہے
ہم سمجھتے تھے دل لگی اس کو
اب کھلا یہ کہ عاشقی کیا ہے

النّور — دکن

یہ منظر دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گئی دنیا
جو بزمِ میکشاں سے اکبرِ زاہد نما نکلے